ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
ماہانہ ایڈیشن : جون ۱۹۹۷ء

☆ افغانستان کی سرزمین پر اسلام کا خورشید طلوع ہوا چاہتا ہے (اداریہ)
☆ مقتدر قوتیں کشمیر کے بارے میں فیصلہ کن قدم اٹھانے والی ہیں (تجزیہ)
☆ ہم اقامت دین اور اعلاء کلمتہ اللہ کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں (سفیر افغانستان)

ملت اسلامیہ افغانستان ـــ علامہ اقبال کی نگاہ میں

آسیا یک پیکر آب و گل است
ملت افغاں درآں پیکر دل است!
از فساد او فساد آسیا
در کشاد او کشاد آسیا
تا دل آزاد است آزاد است تن
ورنہ کاہے در رہ باد است تن!
ہمچو تن پابند آئین است دل
مردہ از کیں زندہ از دین است دل!
قوت دیں از مقام وحدت است
وحدت ار مشہود گردد ملت است

(جاوید نامہ)

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم
کہ ہو نام افغانیوں کا بلند!
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!
("خوش حال خاں کی وصیت" از "بال جبریل")

☆ ☆ ☆

افغان باقی! کہسار باقی!
الحکم للہ! الملک للہ!
حاجت سے مجبور مردان آزاد
کرتی ہے حاجت شیروں کو روباہ!
محرم خودی سے جس دم ہوا فقر
تو بھی شہنشاہ' میں بھی شہنشاہ!
قوموں کی تقدیر وہ مرد درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ!
("محراب گل خان کے افکار" از: "ضرب کلیم")

فارسی اشعار کا ترجمہ

براعظم ایشیا پانی اور مٹی کا ایک پیکر ہے اور اس پیکر میں دل کی حیثیت ملت افغانستان کو حاصل ہے۔ اس کا بگاڑ پورے ایشیا کے بگاڑ کا باعث ہے اور اس کی خوشحالی پر پورے ایشیا کی خوشحالی کا دارومدار ہے۔ دل جب تک آزاد رہتا ہے جسد کو بھی آزادی میسر رہتی ہے۔ بصورت دیگر حالات کے طوفانی جھکڑ کے آگے جسد کی حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہیں ہوتی۔

دل بھی جسم کی طرح ایک ضابطے کا پابند ہے۔ نفرت و دشمنی کی وجہ سے دل مردہ ہو جاتا ہے جبکہ دل کی حیات دین کے ساتھ وابستگی پر موقوف ہے۔

دین کی قوت اور شان و شوکت کا دارومدار وحدت و یک جہتی پر ہے۔ وحدت اگر مکمل ہو جائے تو وہ ملت بن جاتی ہے۔

قیمت فی شمارہ : 12 روپے

الہدیٰ

ترجمہ و ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ باہم آمادۂ قتال ہو جائیں تو صلح کراؤ ان کے درمیان'

(کہ ایسی صورت حال میں جب مسلمانوں کے دو گروہ کسی غلط فہمی کی بنیاد پر یا کسی ایک گروہ کی زیادتی کے باعث باہم برسرپیکار ہو جائیں اور کشت و خون کا بازار گرم ہو جائے تو دیگر مسلمانوں کے لئے روا نہیں ہے کہ وہ اسے غیروں کا معاملہ قرار دے کر اس جھگڑے سے لاتعلقی اختیار کرلیں۔ ان پر لازم ہے کہ وہ فساد کو فرو کرنے اور ان کے مابین صلح کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ پوری امت ایک اکائی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے کسی حصے کا نقصان درحقیقت مسلمانوں کا اجتماعی نقصان ہے)

پھر اگر ان میں سے ایک فریق دوسرے فریق پر زیادتی کرے تو قتال کرو اس فریق کے ساتھ جو زیادتی کرنے والا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو صلح کراؤ ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ' اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(اگر یہ محسوس ہو کہ ایک فریق ظلم و تعدی پر تلا ہوا ہے اور کسی طور مصالحت پر آمادہ نہیں تو اس فریق کے خلاف محاذ آرائی کرنا اور بہرصورت اسے صلح پر مجبور کرنا تمام مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ ہے۔ لاتعلقی کی روش اختیار کر لینے کی اسلام میں ہرگز کوئی گنجائش نہیں۔ اور پھر جب وہ فریق اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دے اور صلح پر آمادہ ہو جائے تو پھر ان دونوں کے درمیان عدل و انصاف سے صلح کرانا مسلمانوں کے ذمے ہو گا' ذاتی رنجش اور انتقام کے جذبات اب صلح میں مزاحم نہیں ہونے چاہئیں اور انصاف کا دامن کسی طور ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہئے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)

مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ پس صلح کرا دیا کرو اپنے بھائیوں کے درمیان' اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' شاید کہ تم پر رحم کیا جائے۔

(تمام اہل ایمان خواہ وہ دنیا کے کسی علاقے اور کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہوں' ایک امت کے افراد ہونے کے ناطے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اور بھائیوں کی باہمی لڑائی کو ہمیشہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ مسلم برادری کے مختلف افراد یا گروہوں میں جب بھی جھگڑے اور تصادم کی صورت پیدا ہو وہ اسے دور کرنے اور ان کے مابین صلح کرانے کو اہم دینی فریضہ سمجھیں اور اللہ کی رضا کی خاطر اس کام کو سرانجام دیں تاکہ اللہ کی رحمت ان کے شامل حال رہے)

(سورۃ الحجرات' آیات : ۹ اور ۱۰)

جوامع الکلم

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ساتھ چھوڑتا ہے۔

(بھائی ہونے کے ناطے ہر مسلمان کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو نہ تو کسی قسم کی ایذا اور تکلیف پہنچائے اور نہ مشکل وقت میں اس کا ساتھ چھوڑے کہ ایسے ہی مواقع پر درحقیقت انسان کے اخلاص کا امتحان ہوتا ہے)

(صحیح مسلم' بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ٦ شمارہ ١٥

۴ جون ۱۹۹۷ء

4

مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان
۴ - اے، مزنگ روڈ، لاہور

مقام اشاعت
۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون : ۳-۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۸ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی، اومان، مصر ۱۳/۱۳ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

ندائے خلافت ——— ایک نئے دور کا آغاز

یہ بات اکثر قارئین کے علم میں ہوگی کہ "ندائے خلافت" دراصل ہفت روزہ "ندا" کا تسلسل ہے جس کا اجراء مارچ ۸۸ء میں عم محترم اقتدار احمد مرحوم و مغفور نے اپنے ذاتی جریدے کی حیثیت سے کیا تھا۔ "ندا" پاکستانی صحافت کے افق پر ایک ایسے صاف ستھرے اور معیاری سیاسی جریدے کے طور پر طلوع ہوا تھا جو معنوی اور باطنی محاسن کے ساتھ ساتھ حسن ظاہری سے بھی پوری طرح آراستہ تھا۔ چنانچہ اس پرچے کی آمد پر بعض نہایت کہنہ مشق اور پختہ کار صحافی بھی ایک بار چونک سے گئے تھے۔ بالخصوص اس کے مدیر اقتدار احمد مرحوم کی تحریری و صحافتی صلاحیتوں نے، اس کے باوجود کہ وہ اس کوچے میں بالکل نووارد تھے، انہیں متعجب و حیران ہونے پر مجبور کردیا کہ "ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی!" ——— ہفت روزہ ندا میں اس کے مدیر مرحوم نے اپنی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اپنا سرمایہ بھی نہایت فراوانی سے کھپایا لیکن کچھ تو ان کی خود عائد کردہ بندشوں کے باعث کہ جس میں چٹ پٹے سیکنڈلز اور عورتوں کی تصاویر کی اشاعت سے اجتناب ہی نہیں ایسے اشتہارات سے بھی کہ جن میں عورت کی شبیہہ موجود ہو اور اسی طرح بینکوں اور سگریٹ کمپنیوں کے اشتہارات سے بھی گریز شامل تھا "ندا" اقتصادی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکا۔ اور کچھ عوام کی جانب سے مناسب پذیرائی نہ ملنے کے باعث جس کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ "اخبار جہاں" اور "رابطہ" کی قبیل کے رسالوں نے عوام کا ذوق مطالعہ اس حد تک مسخ کردیا ہے کہ جس رسالے کے ٹائٹل پر جوان عورتوں کی رنگا رنگ اور حیا سوز تصاویر نہ ہوں وہ عوام کی توجہ اپنی جانب کھینچنے میں ناکام رہتا ہے، چچا مرحوم دو سال کی جاں گسل محنت کے بعد دلبرداشتہ سے ہوگئے تھے جس کا اولین مظہر یہ سامنے آیا کہ جولائی ۱۹۹۰ء سے "ندا" ہفتہ وار شائع ہونے کی بجائے پندرھویں روز شائع ہونے لگا۔ اواخر ۹۰ء میں چچا جان مرحوم اس کی بساط لپیٹ دینے والے تھے کہ امیر تنظیم اسلامی اور والد محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مشورے سے یہ پرچہ جنوری ۹۱ء سے چچا مرحوم ہی کے زیر ادارت تنظیم اسلامی کے ترجمان کے طور پر قرآن اکیڈمی سے شائع ہونے لگا۔ اواخر ۹۱ء میں تحریک خلافت پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو اس ضرورت کا احساس ہوا کہ تحریک خلافت کے ترجمان کے طور پر بھی کوئی جریدہ شائع ہونا چاہئے۔ اس معاملے میں قرعہ فال "ندا" کے نام نکلا اور جنوری ۹۲ء سے اس پرچے نے "ندائے خلافت" کے نام سے ایک نئے دور میں قدم رکھ دیا۔ جنوری ۹۲ء سے مارچ ۹۵ء تک مسلسل تین سال یہ پرچہ تحریک خلافت کے نقیب کے طور پر بڑی پابندی سے پندرہ روزہ جریدے کے طور پر شائع ہوتا رہا۔ بعد ازاں مدیر ندائے خلافت کی چند ماہ پر محیط علالت کے باعث جو بالآخر ان کے انتقال پر منتج ہوئی، اس کی اشاعت میں چند ماہ کا تعطل آیا۔ جولائی ۹۵ء سے اس پرچے کی ادارت کی ذمہ داری راقم کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی گئی۔ "کبرنی موت الکبرا" کے مصداق راقم کو اپنی تمام تر بے بضاعتی کے باوجود وہ ذمہ داری اٹھانا پڑی جس کا وہ اہل نہیں تھا۔ بہرکیف اللہ کے فضل و کرم اور احباب کی دعاؤں کے طفیل جیسا کچھ بھی بن آیا، راقم ہنوز اس ذمہ داری کو نبھا رہا ہے۔

پچھلے کچھ عرصے سے تحریک خلافت پاکستان کے داعی اور تنظیم اسلامی کے امیر، محترم ڈاکٹر اسرار احمد تحریک اور تنظیم کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کے پیش نظر بڑی شدت کے ساتھ اس ضرورت کو محسوس کر رہے تھے کہ "ندائے خلافت" ایک متحرک تحریکی جریدے کے طور پر ہر ہفتے شائع ہونا چاہئے اور نہایت ارزاں قیمت پر وہ رفقاء و احباب کو مہیا کیا جانا چاہئے تاکہ وہ اپنی دعوت اور تحریکی فکر کو عام کرنے کے لئے ایک موثر آرگن کے طور پر اسے استعمال کر سکیں۔ اسی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ندائے خلافت کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس کے صفحات کم کردیئے جائیں، آرٹ پیپر پر شائع ہونے والا علیحدہ ٹائٹل ختم کردیا جائے اور اس میں دعوتی و تحریکی اور فکری مواد کے ساتھ ساتھ مرکز کی جانب سے جاری کردہ تمام اخباری بیانات یعنی پریس ریلیز اور دعوتی و تحریکی کاوشوں پر مشتمل مختلف شہروں سے آمدہ رپورٹوں کو بھی مستقل طور پر جگہ دی جائے۔ اور آخری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اس کی قیمت -/۲ روپے معین کرنے کا فیصلہ ہوا جو یقیناً لاگت سے بھی کم ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے صحیح معنوں میں ایک تحریکی جریدہ بنادے جو غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد میں مفید اور مثبت کردار ادا کرسکے۔

گزشتہ ماہ کے دوران اوپر بیان کردہ شکل میں "ندائے خلافت" کے دو شمارے شائع کئے جاچکے ہیں۔ پرچے کے مستقل قارئین میں سے اکثر کی نظروں سے یہ شمارے ضرور گزرے ہوں گے، تاہم بیرون پاکستان کے قارئین تک

(باقی صفحہ ۲۸ پر)

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بالآخر

گزشتہ دو دنوں ۲۵ اور ۲۶ مئی کے روزناموں میں دی گئی مندرجہ ذیل چیدہ چیدہ خبروں پر غور کیجئے اور یوں مجموعی قومی حالت کے بارے ابھرنے والے خاکے پر حقیقت پسندانہ نظر ڈالتے ہوئے سوچئے کہ اس صورت حال کا بالآخر کیا نتیجہ نکلے گا۔ صرف دو دنوں کی خبریں یہ ہیں :

"اقتصادی صورت حال سنگین ہے۔ سرتاج عزیز"۔ "موجودہ حکومت نے اقتدار کے پہلے ۱۰۰ دنوں میں ۸۸ ارب روپے کے قرضے لئے۔ چودھری سلطان علی"۔ "وزیراعظم کے کہنے پر اڑھائی ارب ڈالر کے لئے ایشین بنک کی منت کی۔ چودھری محمد فاروق اٹارنی جنرل"۔

"۱۳۰ ارب کے قرضے ڈوب چکے ہیں۔ سٹیٹ بنک نے بھی غفلت کی۔ اب اس کی ذمہ داری طے کریں گے۔ خالد انور"۔ "نواز شریف کے تمام اثاثے صرف اور صرف پاکستان میں ہیں۔ وال سٹریٹ جرنل نے بے بنیاد خبر شائع کی۔ وزیراعظم کے ہاتھ صاف ہیں۔ حکومتی ترجمان"۔ "وال سٹریٹ جرنل میں پاکستانی سیاستدانوں کے غیر ملکی بنکوں میں ایک ارب ڈالر سے زائد اثاثوں کی خبر میں میرا نام آنے پر جریدے کو نوٹس دے رہا ہوں' بیرون ملک میرا کوئی اکاؤنٹ نہیں۔ اعجاز الحق"۔ "مسلم کانفرنس (سکندر گروپ) سابق وزیراعظم آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم کے صاحبزادے سردار عتیق احمد خاں کے خلاف بدعنوانی اور بڑے پیمانے پر لوٹ مار کے علاوہ وزیراعظم کے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے کروڑوں روپے کے خورد برد کے الزامات پر مبنی ریفرنس چیف احتساب کمشنر کو پیش کرے گا"۔

"ممتاز بھٹو نے وفاقی نظام ختم کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ نیشنل فرنٹ کی قرارداد"۔ "کراچی سے رینجرز کی واپسی کے بارے میں وزیراعظم کا وعدے کے باوجود انکار' ایم کیو ایم اور حکومت کے مابین اختلافات بڑھ گئے۔ ایم کیو ایم کے مطابق راستے الگ کرنے پر غور کیا جا رہا ہے"۔ "ایم کیو ایم آم کھائے گٹھلیاں مسلم لیگ' یہ پالیسی نہیں چلے گی۔ اعجاز شفیع ایم این اے مسلم لیگ"۔ "صوبائی حقوق نہ ملے تو مسلم لیگ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ نسیم ولی خاں"۔

"نواز شریف نے ہمارے ساتھ وعدوں سے انحراف کیا ہے۔ دینی جماعتیں متحد ہو جائیں۔ ساجد میر"۔ "نظام مصطفیٰ یا وزارتیں۔ جے یو پی (نیازی) کے دو گروپوں میں ٹھن گئی"۔

"حکومتی مشینری اور ادارے ناکام ہو چکے ہیں۔ ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن"۔ "پاکستان کی سٹاک مارکیٹیں جوا خانہ بن چکی ہیں۔ سٹہ بازی بڑھ رہی ہے۔ پابندی نہ لگائی گئی تو غیر ملکی سرمایہ کاری رک جائے گی۔ صورت حال تشویش ناک ہے۔ عالمی ادارہ"

"ملک بھر میں دہشت گردی کے ۱۸ ہزار مقدمات کی سماعت رک گئی۔ ججوں کی تعداد بڑھائی جائے"۔ "دس برسوں میں فرقہ واریت کی ایک ہزار ۳۳ وارداتوں میں ۱۴۷۸ افراد ہلاک ہوئے جبکہ ۷۹۱اشدید زخمی ہوئے۔ وزارت داخلہ"۔

"حکومت احتساب کے نام پر ڈرامہ کر رہی ہے۔ مولانا اجمل خاں سرپرست جمعیت علماء اسلام"۔ "احتساب تسلی بخش نہیں۔ اعجاز الحق"۔

"پنجاب زرعی ترقیاتی کارپوریشن کے افسروں نے ۱۹ کروڑ کی جعلی کھاد خریدی۔ ۱۹ ہزار میٹرک ٹن کھاد سٹوروں میں پڑی سڑ رہی ہے"۔ "محکمہ انہار اور محکمہ خزانہ کی غفلت کے باعث جنوبی پنجاب کے سات اضلاع کی تقریباً ۷ لاکھ ۲۰ ہزار ایکڑ سے زائد رقبے پر کپاس اور دھان کی فصل کاشت نہ ہو سکے گی"۔ "افغانستان سمگل کی جانے والی گندم کی ۳۲ ہزار بوریاں پکڑی گئیں"۔ "لاہور سیکنڈری بورڈ کے ۴ اہلکاروں کے خلاف مقدمہ۔ سیکریسی برانچ عملہ کے افراد نے رشوت لے کر اصلی جوابی کاپیوں کی جگہ نئی حل شدہ کاپیاں رکھ دیں"۔ "گلبرگ اور ڈیفنس میں بجلی چوری کے خلاف مہم۔ وفاقی وزیر عابدہ حسین' سینیٹر گلزار اور سابق گورنر صادق قریشی سمیت کئی بڑوں کو نوٹس"۔

"نیشنل ہائی وے پر مسافر بس اور آئل ٹینکر کی ٹکر۔ ۱۴ ہلاک"۔ "تیز گام کو حادثہ' پانچ بوگیاں پٹڑی سے اتر گئیں' مسافر کود گئے' دھکم پیل میں کئی خواتین اور بچے کچلے گئے۔ حادثہ ناقص ریلوے لائن کے باعث ہوا"۔ "اختر آباد (ساہیوال) کے قریب تیز رفتار بس اور ویگن میں تصادم' ۳ ہلاک اور ۱۰ زخمی"۔ "تیز رفتار کار نے دو طالب علم کچل ڈالے"۔

"سرتاج فلور مل کے مالک صلاح الدین کو شیرپاؤ پل کے نزدیک اس کے چچا زاد بھائی نے دو ساتھیوں کے ہمراہ کلاشنکوفوں کے برسٹ مار کر ہلاک کر دیا"۔ "سانگلہ ہل میں عشر و زکوٰۃ کمیٹی کا چیئرمین قتل"۔ "نارووال کے نواحی گاؤں میں ستر سالہ عورت کو ٹیپ ریکارڈر اونچی آواز سے چلانے پر منع کرنے کی پاداش میں بندوق سے موت کے گھاٹ اتار دیا"۔ "گوگیرہ (اوکاڑہ) میں ۱۹ افراد نے ۳ مخالفین کو لائن میں کھڑا کر کے قتل کر دیا"۔ "پشاور میں ایک ڈاکٹر اور پی آئی اے کے پائلٹ سمیت تین افراد کو لاکھوں روپے سے محروم کرنے کے بعد قتل کر دیا گیا"۔

"سرگودھا۔ شادی شدہ عورت اغوا' دو خواتین نے شور مچا کر عزت بچالی۔ اوباش نوجوان خاتون کو اکیلی پا کر دیوار پھلانگ کر گھر میں کود گیا"۔ "لاہور۔ نوجوان نے بدچلنی کے شبہ میں بہن کو ہلاک کر دیا"۔ "راہ چلتی خاتون سے بدتمیزی کرنے والے دو نوجوانوں میں سے ایک پکڑا گیا۔ ملزم سیاسی شخصیت کی مداخلت پر چھوڑ دیا گیا"۔ "سیالکوٹ۔ گھریلو ناچاقی پر عورت نے خود کو آگ لگا لی"۔ "محلہ پیر مکی لاہور میں بلیرڈ کلبوں اور تجاوزات نے مکینوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ طالبات سے چھیڑ خانی کی جاتی ہے۔ کھوکھے پر شراب اور ہیروئن خریدنے والوں کا ہجوم رہتا ہے"۔

"ملتان کے نواحی علاقے میں ۳ مسلح نقاب پوشوں نے ایک گھی کمپنی کے ڈیلر سے ۹۹ ہزار روپے چھین لئے"۔ "گوجرانوالہ کے قریب گن پوائنٹ پر ایک شخص محمد الیاس سے موٹر سائیکل چھین لی گئی"۔ "لاہور ڈیفنس میں ڈاکوؤں نے ایک شخص سے گاڑی' موبائیل اور نقدی چھین لی"۔ "جنڈیالہ شیر خان میں نامعلوم افراد مل انجینئر کے گھر داخل ہو کر لاکھوں روپے کی مالیت کے زیورات' وی سی آر پرائز بانڈ وغیرہ لے گئے"۔ "۵ کروڑ ڈالر کے ڈاکے کے خلاف منی چینجرز آج پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے احتجاج کریں گے۔ ایک ہفتے میں رقم برآمد نہ ہوئی تو پورے ملک میں مظاہرے ہوں گے"۔

مندرجہ بالا خبروں نے جو محض دو دنوں پر مشتمل ہیں قومی صورت حال کا خاکہ یقیناً ذہن میں کھینچ دیا ہو گا۔ اب خدا دیئے شعور کا تقاضا ہے کہ حالات کا دیانتدارانہ جائزہ لیا جائے تاکہ تباہی کے دہانے پر پہنچ جانے سے پہلے تدارک کیا جا سکے۔ مستقبل کی امید افزا پیشینگوئیوں کے جھروکوں سے صرف جھانکتے رہنے سے بات از خود نہ بن پائے گی۔ جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے' انسانی فلسفے ہی کا نچوڑ نہیں بلکہ تنبیہ اور نصیحت کے انداز میں قدرت کا سبق ہے۔ اس ضمن میں ہماری لاپرواہی کا منہ بولتا ثبوت یہ ہے کہ اکابرین کے وعظ بے کیف اور ہماری دعائیں بے اثر ہو چکی ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ نہ گھر میں سکون ہے اور نہ باہر کوئی عزت! سچے دین کے پیروکار ہونے کے ناطے ہم سب پہ

اداریہ

عاکف سعید

افغان باقی ' کہسار باقی
الملک للہ ' الحکم للہ

حکومت پاکستان کی جانب سے افغانستان کی حکومت کو تسلیم کرنے کا اعلان حسب توقع بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوا۔ یوں لگتا ہے کہ بند کھل گیا ہے اور اب چھاجوں مینہ برسے گا۔ سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کی طرف سے طالبان کی حکومت کو تسلیم کرنے کی اطلاع آچکی ہے اور امریکہ نے بھی طالبان کی حیثیت کو ایک درجے میں تسلیم کرنے کا عندیہ دیا ہے۔ وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے دیگر ممالک سے بھی اپیل کی ہے کہ وہ اس معاملے میں حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے بلا تاخیر طالبان کی حکومت کو تسلیم کرنے کا اعلان کریں تاکہ موجودہ بحرانی صورتحال کا خاتمہ ہو اور اس خطے میں امن وامان اور استحکام کی جانب پیش رفت ممکن ہو سکے —— پاکستان میں' اکا دکا انتہاپسند سیکولر عناصر کو چھوڑ کر' قریباً تمام طبقات نے حکومت پاکستان کے اس جرات مندانہ اور دانشمندانہ اقدام کا خیر مقدم کیا ہے اور ملت اسلامیہ پاکستان کے طول وعرض میں جوش وجذبے کی ایک لہر دوڑ گئی ہے جو بلاشبہ نہایت خوش آئند ہے۔

۱۹۸۸ء میں افغانستان میں روس کی تاریخی شکست اور روسی افواج کے افغانستان سے انخلاء کے بعد اس خطے کے مسلمانوں کے لئے مسرت وخوشی کا جو دور آیا تھا وہ نہایت ناپائیدار اور عارضی ثابت ہوا اور مجاہدین کے مختلف گروہوں کی باہم خانہ جنگی اور قتل وغارت گری نے وہ نقشہ جمایا کہ افغان جہاد میں دامے' درمے' سخنے حصہ لینے والے بے شمار غیر افغانی مسلمانوں میں سے اکثر کو جن میں پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد میں شامل تھی' "جہاد" کے لفظ ہی سے چڑ ہو گئی اور اس حوالے سے شدید مایوسی اور بددلی ان کے ذہن و دماغ پر مسلط ہو گئی۔ اور ماضی قریب تک صورت یہ تھی کہ افغانستان کے مستقبل اور وہاں اسلامی نظام کے قیام کے امکانات کے بارے میں قریباً ہر حلقے کی جانب سے شدید مایوسی اور خدشات کا اظہار کیا جاتا تھا —— تاہم مایوسی اور بددلی کے اس اعصاب شکن عرصے کے دوران بھی امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد "بتا رہی ہے یہ ظلمت شب کہ صبح نزدیک آ رہی ہے" کے مصداق مسلسل اپنے اس یقین کا اظہار کرتے رہے کہ خلوص واخلاص سے دی گئی قربانیاں اور اللہ کی راہ میں دیا گیا شہیدوں کا خون بالآخر رنگ لائے گا' گو فی الحال افغانیوں کو ان کے نقض عہد اور بیعت کے تقدس کو پامال کرنے کی سزا اللہ کی طرف سے مل رہی ہے لیکن یہ ایک عارضی دور ہے' بالآخر افغانستان کی سرزمین پر اسلام کا خورشید طلوع ہو کر رہے گا اور بعد ازاں پاکستان میں بھی ان شاء اللہ دین حق کا غلبہ ہو کر رہے گا اور اس طرح اس خطے میں وہ مضبوط اسلامی حکومت قائم ہو گی کہ پھر آنحضورؐ کے ایک فرمان کے مطابق حضرت مہدی کی مدد کے لئے اسلامی فوجیں اسی خطے سے روانہ ہوں گی اور یہود و نصاریٰ کے خلاف مسلمانوں کی آخری فیصلہ کن جنگوں میں نہایت اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کریں گی ——

افغانستان کے قریباً تین چوتھائی رقبے پر طالبان کا قابض ہو جانا اور ان کا اپنی عملداری میں مکمل امن وامان قائم کرنے میں کامیاب ہو جانا اور پھر اب پاکستان اور سعودی عرب کا طالبان کی حکومت کو تسلیم کر لینا' یہ سب واقعات اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ اسلام کے عالمی غلبے اور پورے کرہ ارضی پر خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کے مراحل کا آغاز ہوا چاہتا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی کا یہ خیال کہ امت کے دوسرے ہزار سالہ دور کے آغاز سے لے کر آج تک تجدید واحیاء دین اور دعوت رجوع الی القرآن کا جس قدر کام سرزمین ہند پر' افغانستان بھی ایک اعتبار سے جس کا ایک حصہ ہے' ہوا ہے' پورے عالم اسلام میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے' لہٰذا غلبہ واقامت دین کے عمل کا آغاز بھی انشاء اللہ اسی خطے سے ہو گا' اب ایک حقیقت کی صورت میں جلوہ گر ہوتا نظر آتا ہے۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ابھی اس خیال یا خواب کے فی الواقع عملی اظہار میں ابھی اور کتنا وقت لگے گا اور کون کون سے مراحل ابھی مزید آئیں گے تاہم یہ ضرور ہے کہ اس کے واضح آثار اب نظر آنے لگے ہیں اور اقبال کا یہ شعر بھی حقیقت کا روپ دھارتا دکھائی دینے لگا ہے کہ ؎

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ جہاں معمور ہوگا نغمہ توحید سے

یہ اگرچہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس میں سخن کوش اور غیرت وحمیت دینی سے مالامال افغان قوم کی قربانیوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اقبال نے بہت پہلے بھانپ لیا تھا کہ ہند کے ملا میں اور افغانستان کے ملا میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ افغانستان کے ملا میں غیرت وحمیت دینی اور جذبہ جہاد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اسی لئے اقبال نے ابلیس کی زبان سے یہ کہلوایا تھا کہ ؎

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو اس کے کوہ و دمن سے نکال دو

بلاشبہ افغان جہاد میں لاکھوں افغانی بے گھر ہوئے' لاکھوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور ان کے ساتھ ساتھ ہزاروں غیر افغانیوں نے بھی جن میں پورے عالم اسلام بشمول سعودیہ اور پاکستان کے مجاہدین بھی شامل ہیں' جام شہادت نوش کیا لیکن ان تمام قربانیوں کے نتیجے میں اگر اللہ کا کلمہ سربلند ہو جائے اور اس خطے میں حق کا بول بالا ہو جائے تو ہرگز یہ گھاٹے کا سودا نہیں اور ہم افغانیوں کے دکھ میں شریک ہوتے ہوئے بھی یہ سارا غم بھلانے کے لئے تیار ہیں۔ ہمارے ان جذبات کی ترجمانی' ترجمان حقیقت علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں اتنے خوبصورت انداز میں کر دی ہے کہ بلاخوف تردید یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس سے بہتر اور خوبصورت ترجمانی ممکن ہی نہیں۔ یوں بھی ملت افغان کے بارے میں اقبال کے نہایت قابل قدر اشعار کا ایک گلدستہ اس شمارے کے سرورق پر ہدیہ قارئین کر دیا گیا ہے۔ یہ شعر ایک معمولی سے لفظی تغیر کے ساتھ پیش خدمت ہے : ؎

اگر "افغانیوں" پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

☆☆☆

داعی تحریک خلافت پاکستان کے خطاب جمعہ کی تلخیص

امت کے دوسرے ہزار سال میں قرآن پر جتنا کام ہندوستان میں ہوا' پورے عالم اسلام میں نہیں ہوا

ہندوؤں کی ثقافتی یلغار کے مقابلہ میں دعوت و فکر قرآنی کی تلوار نہایت موثر ثابت ہو سکتی ہے

تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے 16 مئی کو مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں عالم اسلام میں رجوع الی القرآن کی دعوت کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ ذیل میں اس کی تلخیص قارئین کے گوش گزار کی جارہی ہے۔ (ادارہ)

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا: حدیث رسولؐ میں امت مسلمہ اور یہود کی غیر معمولی مشابہت بیان کی گئی ہے۔ تاریخی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو یہودیوں اور مسلمانوں کی تاریخ میں حیران کن حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں امتوں کو دوبار عروج حاصل ہوا اور دو ہی بار یہ زوال سے دوچار ہوئیں۔ یہودی پہلے بخت نصر اور پھر ٹائٹس رومی کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوئے' جبکہ مسلمانوں کو تاتاریوں اور پھر مغربی اقوام نے ذلت آمیز شکستوں سے دوچار کیا اور آج تو حال یہ ہے کہ مسلمان اپنی ذلت و رسوائی کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ ۲۰ کروڑ عرب ۳۰ لاکھ کی اسرائیلی آبادی کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔ مراکش کے شاہ حسن ہوں یا اردن کے شاہ حسین' مصر کے حسنی مبارک ہوں یا امیر کویت سب کے سب یہودیوں کے سامنے سربسجود ہو چکے ہیں اور اسی بے بسی کا مظہر یہ ہے کہ اسرائیل نئی یہودی بستیوں کی تعمیر کے بارے میں عربوں ہی کو نہیں امریکہ جیسی سپر پاور کو بھی خاطر میں نہیں لا رہا۔

اس ذلت و رسوائی سے نجات حاصل کرنے کے لئے سہ نکاتی لائحہ عمل اپنانے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے سب سے پہلے اللہ اور رسول کی اطاعت بلکہ ان کے سامنے "surrender" کرنا ضروری ہو گا' دوسرے بنیان مرصوص کی شکل اختیار کرنا' جس کے لئے حبل اللہ یعنی قرآن سے چمٹ جانا ہو گا اور تیسرے ایک جماعت کا وجود میں لانا جو نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکنے کا فریضہ ادا کرے۔

قرآن معاذ اللہ کوئی قصے کہانی کی کتاب یا یاوہ گوئی نہیں بلکہ فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ مسلم شریف کی ایک حدیث ہے' جس میں نبی اکرمؐ نے فرمایا' اب اللہ اقوام کو اسی قرآن کو بنیاد پر اٹھائے گا اور اس کو ترک کر دینے کی پاداش میں زوال سے دوچار کرے گا۔ اسی حقیقت کو علامہ اقبال نے انتہائی خوبصورتی سے بیان کیا ہے ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

بلاشبہ آج مسلمان بحیثیت قوم دوسری اقوام کے سامنے اس شبنم کی مانند ہیں جسے پاؤں تلے روندا جاتا ہے۔ مایوسیوں کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہمارے لئے وہ احادیث روشنی کی کرنیں ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ نے قیامت سے قبل عالمی سطح پر غلبہ اسلام کی نوید سنائی ہے۔ کچھ ایسے تاریخی شواہد بھی موجود ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے عالمی غلبے کا آغاز پاکستان اور افغانستان کے خطہ سے ہو گا۔

زمانے نے ایک وقت وہ بھی دیکھا ہے جب قرآن عربوں کے اذہان و قلوب میں اس طرح راسخ ہو گیا تھا کہ وہ مجسم قرآن نظر آتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا ؏

"قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن"

اس کے بعد اسلام نے مغرب کی طرف رخ کیا تو وہاں کی زبانیں عربی زبان کے آگے نہ ٹھہر سکیں۔ لیکن مشرق میں فارسی ایک مضبوط زبان تھی اور اسے سرکاری سرپرستی حاصل تھی' لہٰذا مشرق کے عوام قرآن سے براہ راست مستفید نہ ہو سکے۔ اور ان کے نزدیک قرآن محض ایک مقدس کتاب بن کر رہ گئی۔ چنانچہ اس کو چوم کر اونچی جگہ رکھ دینے' فوت شدگان کے ایصال ثواب کے لئے تلاوت کرنے اور جان کنی کی حالت میں سورہ یٰسین پڑھنے کو کافی سمجھ لیا گیا۔

دوسرے ہزار سال میں اس خطہ پاک و ہند میں رجوع الی القرآن کا عمل شروع ہوا۔ اور پھر جو کام قرآن پر ہندوستان میں اس دوران ہوا اتنا کام بقیہ پوری دنیا میں مجموعی طور پر بھی نہ ہو سکا۔ چنانچہ سب سے پہلے شاہ ولی اللہ دہلوی نے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ کیا۔ ان کے دو بیٹوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے بالترتیب لفظی اور بامحاورہ ترجمہ کیا۔ یہ دونوں تراجم آج بھی بطور سند کے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اگرچہ تحریک شہیدین ۱۸۳۱ء اور تحریک آزادی ہند ۱۸۵۷ء کی وجہ سے رجوع الی القرآن کا یہ عمل کچھ عرصے کے لئے رک گیا لیکن پھر ۱۸۹۰ء سے ۱۹۵۰ء تک ہند میں قرآن پر مختلف انداز سے بھرپور کام ہوا۔ اس کام کے نتیجے میں چار گروہ وجود میں آئے۔ ایک وہ لوگ تھے جنہوں نے سکولوں اور کالجوں سے جدید تعلیم حاصل کی تھی لیکن ان کی دینی علوم کی بنیاد مضبوط نہیں تھی لہٰذا ان کی اکثریت کسی نہ کسی گمراہی کا شکار ہو گئی۔ مثلاً علامہ مشرقی اور ان کے پیروکار' پرویزی' سرسید اور احمدی وغیرہ۔ لیکن انہی لوگوں میں سے علامہ اقبال بھی ہیں جو اس صدی کے سب سے بڑے ترجمان قرآن اور شارح قرآن ہیں۔ دوسرے وہ روایتی علماء جو اپنے مسلکوں سے بندھے ہوئے ہیں اور انہوں نے تفسیریں لکھیں۔ ان میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور ان کے شاگرد شبیر احمد عثمانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تیسرے' تحریکی سطح پر مولانا ابوالکلام اور مولانا مودودی ہیں اور چوتھے تحقیقی اور علمی سطح پر مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی وغیرہ ہیں۔ ان سب بزرگوں نے اپنے اپنے دھارے میں قرآن کی خدمت کی۔

اب اللہ نے مجھے یہ توفیق دی ہے کہ میں ان چاروں دھاروں کو اکٹھا کر کے اللہ کی کتاب کی خدمت کروں۔ اسی غرض سے بفضل اللہ تعالیٰ ملک کے کئی شہروں میں قرآن اکیڈمیاں قائم ہو چکی ہیں۔ قرآن کالج لاہور کا قیام عمل میں آیا ہے جس میں جدید تعلیم کے ساتھ قرآنی زبان عربی پڑھائی جا رہی ہے۔ خوبصورت قرآن آڈیٹوریم بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ بحمد اللہ ہماری ان کاوشوں سے قرآن کی طرف رجوع میں اضافہ ہوا ہے۔ ایک زمانے میں قرآن سے عربوں کی لاتعلقی کا یہ عالم ہو چکا تھا کہ کویت اور جدہ میں حافظ قرآن نہ ہونے کی وجہ سے امام کو قرآن کھول کر رمضان میں تراویح کی نماز پڑھانی پڑھتی تھی!

حالات حاضرہ کا جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ملت اسلامیہ پاکستان اپنی پستی کی انتہا کو پہنچ چکی ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ جس کشمیر کو ہم پاکستان کی شہ رگ قرار دیتے ہیں اس کی آزادی کے لئے صرف اخلاقی اور سفارتی کوششیں کی جاتی ہیں۔ تیرہ کروڑ عوام اپنی شہ رگ کو دشمن کے پنجے سے آزاد نہیں کرا سکتے۔ عالمی سطح پر یہودیوں کا نیو ورلڈ آرڈر اصل میں دنیا پر

(باقی صفحہ ۳۴ پر)

کشمیر کے معاملے میں پاکستان اور بھارت دونوں کو حقیقت پسندی کا ثبوت دینا چاہئے

مقتدر قوتیں کشمیر کے بارے میں مستقبل قریب میں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے والی ہیں

مسئلہ کشمیر کے حوالے سے مرزا ایوب بیگ کی ایک بے لاگ تحریر

کشمیر کا مسئلہ ایک طویل مدت تک سرد خانے میں پڑے رہنے کے بعد پچھلے چند سال سے دوبارہ زندہ ہو گیا ہے اور امریکہ اس کے حل کے لئے اچانک بہت سرگرم ہو گیا ہے۔ وہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے اتنا فعال رول ادا کر رہا ہے کہ مدعی ست اور گواہ چست کا گمان ہوتا ہے۔ خاموش ڈپلومیسی' ٹریک ٹو پالیسی اور اوسلو ٹائپ مذاکرات جیسی اصطلاحات کے زیر عنوان کشمیر کے حوالے سے ایسی پر اسرار سرگرمیاں جاری ہیں کہ معمولی سیاسی بصیرت رکھنے والا عام شخص بھی محسوس کر رہا ہے کہ مقتدر قوتیں مستقبل قریب میں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے والی ہیں۔ فیصلہ کس طرح ہو گا اور کیا ہو گا یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا لیکن قرائن صاف بتا رہے ہیں کہ دنیا میں انصاف کے جو پیمانے ہیں ان کے مطابق فیصلہ اسی فریق کے حق میں ہو گا جو سیاسی اقتصادی اور دفاعی لحاظ سے زیادہ مضبوط ہو گا' جس کے ساتھ مقتدر قوت کے مفادات زیادہ وابستہ ہوں گے اور جس کے ساتھ احیائے اسلام کے راستے کا پتھر بننے کے معاملے میں امریکہ کا اشتراک ہو سکے گا۔ اس سے پہلے کہ ہم جائزہ لیں کہ فی الوقت کشمیر کے معاملے میں فریقین کہاں کھڑے ہیں اس مسئلہ کا تاریخی پس منظر اور اس کو حل کرنے کے لئے ماضی میں پر امن اور خونریز کوششوں کا ذکر سودمند رہے گا۔

تقسیم ہند سہ فریقی معاملہ تھا۔ فریق اول کی حیثیت ہندوستان کے حاکم انگریز کو حاصل تھی جسے ہندوستان کو آزاد کرنا تھا۔ ہندو جو برصغیر میں تعداد کے لحاظ سے سب سے بڑی قوم تھی بڑی شدت سے چاہتی تھی کہ انگریز ہندوستان کو یکجا چھوڑ کر چلے جائیں اور اہلیان ہند بحیثیت ایک قوم کے اپنی آزاد حکومت قائم کر کے مشترکہ طور پر اس خطے میں رہیں۔ مسلمان جو برصغیر کی دوسری بڑی قوم تھی' نے دو قومی نظریہ پیش کیا اور تقسیم ہند کا مطالبہ اتنی شدت سے کیا کہ فریق ثانی یعنی ہندو جو تقسیم ہند کو اپنے عقیدے کے خلاف قرار دیتا تھا اور اسے گاؤ ماتا کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے مترادف گردانتا تھا' تقسیم ہند پر اصولی طور پر رضامند ہو گیا اور اسے سیاسی شکست قبول کرنا پڑی۔ البتہ فریق اول یعنی حاکم انگریز کے رویے کے بارے میں دو آراء ہیں اور دونوں وزن رکھتی ہیں۔ اول یہ کہ انگریز بھی ہندو کی طرح تقسیم ہند کے خلاف تھا اور اس کے باوجود کہ برطانیہ میں اس وقت لیبر پارٹی کی حکومت تھی جو قائد اعظم اور مسلمانوں کے خلاف بغض رکھتی تھی لیکن انگریز بھی ہندو کی طرح مسلمانوں اور مسلم لیگ کے عزم اور حکمت عملی کا مقابلہ نہ کر سکا اور اسے بھی بادل ناخواستہ تقسیم ہند کو قبول کرنا پڑا۔ ثانیاً یہ کہ انگریز بھی نہیں چاہتا تھا کہ ہندوستان کو یکجا چھوڑا جائے اور وہ مستقبل میں کوئی عالمی قوت بن کر ابھرے اور اپنے سابق حکمرانوں کے لئے خطرے کا باعث ہو۔ لہٰذا مسلم لیگ کے قیام میں بھی انگریز کا ہاتھ ہے۔ اور وہ قائد اعظم کی بھی اندرون خانہ پشت پناہی کرتا رہا۔ وہ برصغیر کی ایسی متنازعہ تقسیم چاہتا تھا جو ان دونوں ملکوں کے درمیان وجہ نزاع بنی رہے اور دونوں ممالک اپنی توانائیاں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے پر صرف کرتے رہیں۔ لہٰذا کشمیر کا مسئلہ اسی حکمت عملی کے تحت کھڑا کیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کا مسئلہ مسلم لیگ کی حماقت' کانگرس کی لالچ اور ہوس ملک گیری اور انگریز کی ناانصافی سے پیدا ہوا۔ تقسیم ہند کا فارمولہ یہ طے ہوا تھا کہ جن علاقوں میں مسلم آبادی زیادہ ہے وہ پاکستان کا حصہ اور جہاں ہندو آبادی زیادہ ہے وہ بھارت کا حصہ بنے گا۔ فارمولا بڑا سادہ تھا اور اس پر عملدرآمد پر کچھ زیادہ بڑی مشکلات پیش نہ آئیں۔ صرف صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کی نوبت آئی جس نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔ البتہ سابقہ ریاستوں کے بارے میں جہاں انگریز نے بھی والیان ریاست اور راجاؤں کے ذریعے بالواسطہ حکومت کی تھی' کانگرس کا موقف جو منطقی بھی تھا اور قابل فہم بھی کہ ان ریاستوں کے عوام کو بھی یہ حق دیا جائے کہ وہ فیصلہ کریں کہ وہ پاکستان اور بھارت میں سے کس کے ساتھ الحاق کریں گے۔ بدقسمتی سے مسلم لیگ کی وہ قیادت جو تقسیم ہند کے معاملے میں بڑی دانشمندی اور حکمت کا مظاہرہ کر رہی تھی اس معاملے میں ہمالہ جیسی غلطی کی مرتکب ہوئی اور اس نے کانگرس کے اس موقف کو رد کر دیا اور اصرار کیا کہ عوام کی بجائے ریاستوں کے والی اور راجے ان کی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ ان کی نگاہ حیدر آباد دکن پر تھی جس کے والی پاکستان سے الحاق کے پرجوش حامی تھے' لہٰذا اسی کو بنیاد بنا کر کانگرس نے کشمیر کے ڈوگرہ راجہ کے ساتھ معاملہ طے کر لیا جس نے بھارت کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا حالانکہ کانگرس جانتی تھی کہ کشمیری عوام بھارت کے ساتھ الحاق پر کبھی رضامند نہیں ہوں گے۔ انگریز کی ناانصافی یہ تھی کہ اسے منصف ہی کا رول ادا کرنا چاہئے تھا لیکن یہاں وہ خود فریق بن گیا اور گورداسپور کا وہ ضلع جہاں مسلمانوں کی واضح اکثریت تھی اور تقسیم کے فارمولا کے تحت اسے پاکستان کو ملنا چاہئے تھا' ریڈ کلف ایوارڈ میں بھارت کے حوالے کر دیا جس سے بھارت کو کشمیر کا زمینی راستہ مل گیا اور اسے کشمیر پر اپنے پنجے جمانے میں آسانی ہو گئی۔ مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بن جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان بھارت جیسا دشمن ملک حائل تھا اگر کشمیر اور بھارت کے درمیان بھی پاکستان جغرافیائی طور پر حائل ہوتا تو کشمیر پکے ہوئے پھل کی طرح پاکستان کی جھولی میں آ گرتا۔ لہٰذا مسلم لیگ کی غلطی' کانگرس کے لالچ اور انگریز کی ناانصافی نے کشمیر کو لاینحل مسئلہ بنا دیا اور نصف صدی سے اس جنت نظیر خطے کا حسن انسانی خون کے چھینٹوں

سے داغدار ہو رہا ہے۔ کشمیری مجاہدین اور بھارتی سیکورٹی فورسز کے درمیان تصادم ہو یا پاک بھارت افواج میں روزمرہ کی سرحدی جھڑپیں ہوں دونوں طرف سے انسانی خون بہہ رہا ہے۔ 1948ء اور 1965ء میں خالصتاً تنازعہ کشمیر کی بنیاد پر دونوں ممالک کے مابین خوفناک جنگیں ہو چکی ہیں جن میں ہزاروں سہاگنیں بیوہ ہو چکی ہیں' ہزاروں بچے یتیم ہوئے' لاکھوں لوگ بے گھر ہوئے لیکن مسئلہ حل ہونے کی بجائے مزید گھمبیر اور پیچیدہ ہو گیا۔

دونوں ممالک یعنی پاکستان اور بھارت غریب اور پسماندہ ممالک کی فہرست میں آتے ہیں اور دونوں ممالک کی حکومتیں عوام کی اکثریت کو بنیادی ضروریات بھی فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔ ناخواندگی ہے' غربت ہے' بیماری ہے' لیکن دونوں حکومتیں اپنے وسائل جنگ لڑنے اور جنگ کی تیاری میں جھونک رہی ہیں۔ گزشتہ پچاس سالوں میں اس مسئلہ کو پرامن طور پر حل کرنے کے لئے مختلف مقامات پر دونوں ممالک کے درمیان مذاکرات بھی ہوئے۔ کبھی بھٹو سورن سنگھ مذاکرات' کبھی سیکرٹریوں کی سطح پر اور کبھی کرکٹ ڈپلومیسی کے تحت' لیکن یہ مذاکرات محض نشستند گفتند اور برخاستند تک محدود رہے۔ پرامن مذاکرات میں بھارت ہمیشہ غیر سنجیدہ رہا اور اس کا طرز عمل ڈنگ ٹپاؤ کا مظہر رہا۔

تاریخ شاید اپنے آپ کو دہرا رہی ہے' پاکستان کی مختلف حکومتیں اب بھی ایک ہی طرح کی غلطی کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ وہ یہ کہ ہمارے سیاسی زعماء کشمیر کے حوالے سے ایسے بیانات جاری کرتے ہیں جن کا لب لباب یہ ہوتا ہے کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ کشمیر پاکستان کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے' پاکستان کشمیر کے بغیر نامکمل ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اسی سانس میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہم کشمیریوں کی اخلاقی اور سفارتی سطح پر حمایت جاری رکھیں گے۔ اس کا ایک فائدہ تو ہوا کہ کشمیر کا تنازعہ نئی نسلوں کے سامنے بھی ایک زندہ مسئلہ کی حیثیت سے رہا لیکن اب ذہین اور غور و فکر کے عادی افراد یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم نے نصف صدی سے اپنی شہ رگ دشمن کے حوالے کیوں کی ہوئی ہے اور کیا جس علاقہ کا پاکستان کے ساتھ الحاق ہمارے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے اس کے لئے محض سفارتی اور اخلاقی سطح پر کوششیں کرنا مجرمانہ غفلت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مذہبی اور دینی رجحان رکھنے والے حضرات یہ نکتہ بھی اٹھاتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان قوم کی شہ رگ اس کے دشمن کے قبضہ میں ہو تو اس سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر کے علی الاعلان اور مکمل جنگ کرنے کی بجائے ایک طرف تو اس کے ساتھ سفارتی اور تجارتی تعلقات بھی رکھے جائیں اور سیاسی میل جول بھی پرجوش انداز میں ہو لیکن دوسری طرف اس متنازع علاقہ میں اس کے خلاف زیر زمین گوریلا طرز کی کارروائیاں بھی جاری رہیں تو کیا ایسا کرنا از روئے اسلام جائز ہے۔ ہماری رائے میں ان دونوں سوالوں کے جوابات ہماری موجودہ اور سابقہ حکومتوں کے پاس نہیں ہیں۔ حقیقت پسندانہ بلکہ مومنانہ طرز عمل تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ کشمیر کا پاکستان کے ساتھ الحاق اگر ہمارا حق ہے تو ہمیں یہ حق بزور شمشیر حاصل کرنا چاہئے تھا اور اگر قوت کے ساتھ اپنے حق کو حاصل کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں تھا تو قوت کے فراہم ہونے تک صبر اور مکمل گریز و اعراض کی پالیسی اختیار کرتے اور کوئی منافقانہ قسم کا طرز عمل اختیار نہ کرتے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ جہاں سادہ لوح مسلمانوں نے کشمیر کے لئے جان و مال اور عزت کی قربانی دی وہاں ہمارے سیاسی زعماء اپنی اقتدار کی جنگ میں مسئلہ کشمیر کو تخت جمانے اور گرانے کے لئے بطور سیڑھی کے استعمال کرتے رہے اور عوام کے جذبات کے ساتھ کھیل کر اپنا الو سیدھا کرتے رہے۔ کشمیر کے معاملہ میں ہندو بنیا بھی حیران کن حد تک حساب کتاب کی مار کھا رہا ہے۔ بھارت کی اقتصادی پالیسیوں اور صنعت میں اس کی زبردست پیش رفت سے انکار کرنا حقیقت سے آنکھیں چرانا ہے۔ لیکن انتہائی محنت اور عرق ریزی سے کمائے ہوئے وسائل کو اندھا دھند محض ایک تصوراتی یکجہتی کے لئے جھونکتے چلے جانا حماقت کی انتہا ہے۔ بھارت کو معلوم ہونا چاہئے کہ عسکری تسلط قائم کرنے سے تو اب یورپ اور امریکہ جیسی قوتیں بھی تائب ہو چکی ہیں۔ آج کے جمہوری دور میں یہ بہت مشکل ہو چکا ہے جب کہ آنے والے کل میں ناممکن ہو جائے گا کہ کسی کو زبردستی عسکری تسلط میں جکڑا جائے۔ امریکہ اس خطہ میں دوہری چال چل رہا ہے۔ ایک طرف پاکستان کو اتنا بے بس اور لاچار کر دے کہ وہ بھارت کی بالادستی کو قبول کرے اور اقتصادی غلامی قبول کر کے دو وقت کی روٹی پر قناعت کرے۔ اور (خدانخواستہ) اگر ایسا ہو جائے تو بھارت جو کشمیر میں سیاسی جنگ جیت کر اقتصادی بازی ہار جائے تو اس سے نمٹنا بھی آسان ہو جائے۔ یاد رہے کہ کشمیر کی سہ فریقی جنگ میں برطانیہ کی جگہ اب ایک مدت سے امریکہ لے چکا ہے۔ پاکستان اور بھارت دونوں کو حقیقت پسندی کا ثبوت دینا چاہئے۔ ماضی کی طرح تیسرے فریق کی سازشوں کا شکار ہو کر آپس میں الجھنے کی بجائے دو طرفہ مذاکرات کے ذریعے کچھ لے اور کچھ دے کی پالیسی اختیار کر کے اس خونی مسئلہ کو کسی تیسرے کی مداخلت کے بغیر حل کر لینا چاہئے تاکہ وہ عوام کے پیدا کردہ وسائل کو عوام ہی کی بہبود پر لگا سکیں۔ مسلمانان پاکستان کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تعلقات کے معمول پر آجانے سے جہاں تجارتی اور صنعتی شعبوں میں ترقی کی راہیں کھلیں گی وہاں ہمیں اپنے اصل ہتھیار یعنی قرآن کے ساتھ ان کے قلوب کو مسخر کرنے کے مواقع بھی فراہم ہوں گے۔ مسلمان کی ترجیح اول ہمیشہ دعوت و تبلیغ ہی ہونی چاہئے۔ اس طرح ہم دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکیں گے۔

ایران میں شیعہ تہواروں میں زنجیر زنی پر پابندی

ایران میں اعلیٰ مذہبی حکام نے منگل ۳ محرم کے روز اعلان کیا ہے کہ ایران میں مذہبی تہواروں کے دوران ماتم پر پابندی پر سختی سے عمل کرایا جائے گا۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کی یاد میں عاشورہ اور تسوا (Taswa) کے اجتماعات کے موقع پر سالانہ تعزیتی اجتماع پورے ایران میں مذہبی جلوسوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ سرکاری انجمن نشر و اشاعت اسلامی کے صدر حجۃ الاسلام محمد محمدی عراقی (عراقی) نے کہا ہے کہ "ماتم شیعیت کے لئے باعث شرم ہے" گزشتہ دو سالوں کے دوران ایرانی سیکورٹی فورسز نے "قمہ زنی" کی مذہبی رسوم کو سختی سے روکا ہے جس میں عزادار کھڑے ہو کر سر پر تیغ زنی کرتے ہیں۔ ایران کے سب سے بڑے مذہبی رہنما آیت اللہ خامنہ ای نے دو سال قبل ہر طرح کے ماتم کی سختی سے مذمت کرتے ہوئے کہا تھا کہ ماتم داریہ تاثر دیتا ہے کہ شیعہ اسلام غیر عقلی اور اوہام پرست ہے۔

بہرحال ہر سال کچھ مذہبی انتہا پسند خاص طور پر ایران اور آذربائی جان میں ابھی تک ذکر حسینؓ اس طور سے کرتے ہیں کہ سروں کو پیٹتے ہوئے خون آلود ہو جائیں۔ شیعہ مذہبی رہنماؤں نے حالیہ برسوں میں کوشش کی ہے کہ ان کے پیروکار مذہبی تہواروں میں خون بہانے کی بجائے ہسپتالوں میں خون کے عطیات دیں۔

(ماخوذ از: The News ۱۲ مئی ۱۹۹۷ء)

ماہرین چین کے بارے میں اگلی صدی کی معاشی سپر پاور ہونے کی پیشین گوئیاں کر رہے ہیں !

چین کے نزدیک نیو ورلڈ آرڈر کے مقابلہ کے لئے علاقے کے تمام ممالک کے ساتھ خوشگوار تعلقات ضروری ہیں

سنکیانگ میں چین کی پالیسی اسے مسلم ممالک سے دور کر سکتی ہے

چین کی موجودہ صورتحال

علاقائی اور عالمی تناظر میں

شمس العارفین کا تجزیہ

۱۹ فروری ۱۹۹۷ء بروز بدھ چین کے عظیم راہنما ڈینگ زیاؤ پینگ (Deng xio Ping) وفات پا گئے۔ ان کے انتقال کے ساتھ ہی چینی تاریخ کا ایک روشن باب' اختتام کو پہنچ گیا۔ ڈینگ نے چین کے اقتصادی نظام میں دور رس تبدیلیاں لائیں۔ انہوں نے ہی ۱۹۷۸ء میں چینی حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد چین کی معیشت کو آزادی کی راہ پر گامزن کیا۔ ماؤ کے دور کے شدید ریاستی کنٹرول کو کم از کم معاشی معاملات میں نرم کیا۔ یہ انہی کی کوششوں کا ثمر ہے کہ چین معاشی ترقی کی شاہراہ پر تیزی سے رواں دواں ہے۔ اور اسے اکیسویں صدی کی معاشی سپر پاور کہا جا رہا ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور امریکی سرمایہ دار چین کی منڈیوں کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ڈینگ کے دور میں مغرب کے ساتھ چین کے تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ پاک چین تعلقات بحیثیت مجموعی خوشگوار رہے۔ اب ڈینگ کے انتقال کے بعد چین کی خارجہ پالیسی کیا ہو گی؟ امریکی جو چین کو اپنے لئے مستقبل کا خطرہ سمجھتا ہے' چین کے بارے میں کیا رویہ اپنائے گا؟ اکیسویں صدی کے بدلے ہوئے حالات میں پاک چین تعلقات کی سمت کیا ہو گی یا کیا ہونی چاہئے؟ ایسے کئی سوالات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

ڈینگ اگرچہ کیمونسٹ چین کے بانی ماؤزے تنگ (Mao ze Tung) کے قریبی ساتھی تھے۔ لیکن عملی پالیسیوں میں انہوں نے ماؤ سے کئی معاملات میں اختلاف کیا۔ خصوصاً معاشی آزادی کے سوال پر وہ بہت علیت پسند واقع ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں وہ سابق چینی صدر لیو شاؤ چی (Liu Shao gi) سے خصوصی طور پر متاثر تھے۔ چنانچہ ۶۲-۱۹۶۱ء میں جب چینی معیشت ماؤ کی مثالیت پسند پالیسیوں کی بدولت زبوں حالی کا شکار تھی مزید برآں اسے قحط سالی نے آ دبوچا تھا تو آنجہانی ڈینگ نے چینی صدر لیو شاؤ چی سے مل کر ماؤ کی زندگی ہی میں معیشت کی بحالی کے لئے غیر روایتی اقدامات کئے جن کی اہمیت کو ماؤ نے بھی تسلیم کیا۔ اس دور میں انہوں نے پورے ملک کا دورہ کیا اور گوانگ چو (Guang Zhou) کے مقام پر انہوں نے وہ تاریخی جملہ کہا جو ان کی علیت پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہوں نے کہا "بلی جب تک چوہے مارتی ہے اس کی رنگت کے سیاہ و سفید ہونے سے فرق نہیں پڑتا"۔ جب وہ کئی نشیب و فراز سے گزر کر ۱۹۷۸ء میں برسراقتدار آئے تو انہوں نے چین کے سیاسی نظام کو پرانی ڈگر پر برقرار رکھتے ہوئے معیشت میں کئی اصلاحات متعارف کرائیں۔ ان کی معاشی اصلاحات کے دو پہلو اہم تھے :

ا) انفرادی ذمہ داریاں

ب) مادی ترغیبات

چنانچہ ایک طرف تو انہوں نے کسانوں کو زرعی زمینوں کی ملکیت اور پیداواری ہدف کے تعین کی ذمہ داری اور فیکٹریوں کے مینیجرز کو پیداوار کے تعین کا اختیار سونپا۔ دوسری طرف کسانوں اور مینیجرز کو منافع پر کنٹرول دیا گیا۔ انہی اصلاحات کا نتیجہ ہے کہ چین کی سالانہ ترقی کی شرح اوسطاً گزشتہ ایک دہائی سے لگ بھگ ۱۰ فیصد چلی آ رہی ہے۔ دنیا کے کسی ملک بشمول امریکہ و جاپان کی اوسط شرح ترقی مسلسل ایک عشرے تک ۱۰ فیصد نہیں رہی۔ آج جبکہ بیسویں صدی آخری سانسیں لے رہی ہے اور اکیسویں صدی کا سورج طلوع ہوا چاہتا ہے۔ ماہرین چین کے بارے میں اگلی صدی کی معاشی سپر پاور اور وسیع ترین معیشت بننے کی پیش گوئیاں کر رہے ہیں۔ جوں جوں چین کی ترقی کا سورج نصف النہار کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے توں توں امریکہ اور اس کی حلیف مغربی طاقتوں کی جبیں پر شکنوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

پاک چین تعلقات کا آغاز اگرچہ ۱۹۵۱ء ہی سے ہو گیا تھا۔ لیکن دونوں ملکوں کے درمیان حقیقی دوستی صدر ایوب کے دور حکومت میں پروان چڑھی' جب انہوں نے پاکستان کی خارجہ پالیسی میں سابقہ تجربات کی روشنی میں اہم تبدیلیاں کیں۔ اس دوستی کا پہلا مظہر پاک چین سرحدی معاہدہ تھا جو پرامن دوستانہ ماحول میں ۲۳ مارچ ۱۹۶۳ء کو طے پایا۔ بعد ازیں دونوں ملکوں کے درمیان سیاسی و معاشی تعاون میں اضافہ ہوا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران چین نے پاکستان کی نہ صرف کہ مکمل حمایت کی بلکہ اسلحہ بھی فراہم کیا۔ مزید برآں بھارت کو مشرقی

پاکستان پر حملے سے بھی باز رکھا۔ چنانچہ اس کے بعد پاک چین دوستی ایک مثالی حیثیت اختیار کر گئی۔ ۱۹۷۱ء میں بھی چین نے پاکستانی موقف کی حمایت کی اور اقوام متحدہ میں پہلی مرتبہ ویٹو کا حق استعمال کرتے ہوئے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی قرارداد کو مسترد کر دیا۔ سرد جنگ کے دوران پاک چین بھارت تعلقات مختلف گوشوں میں بڑھتے رہے۔ چنانچہ معاشی، سیاسی اور دیگر شعبوں میں تعاون کی فضا مستقلاً برقرار رہی۔ بین الاقوامی سیاست کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ ملک کی خارجہ پالیسی اور دیگر ممالک سے تعلقات عالمی اور علاقائی حالات سے متاثر ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی اور علاقائی صورتحال میں اہم تبدیلیوں سے خارجہ پالیسی کی ترجیحات بدل جاتی ہیں۔ اگر کوئی ملک اپنی خارجہ پالیسی کو ملکی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بین الاقوامی صورتحال سے ہم آہنگ نہ کرے تو مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ تمام ممالک خارجہ پالیسی کا تعین کرتے وقت اس اہم اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ پاک چین دوستی میں بھی بین الاقوامی اور جنوبی ایشیائی صورتحال کا عمل دخل رہا ہے۔ چنانچہ پاکستان اور چین کے باہمی تعلقات میں دونوں ممالک کی بھارت کے ساتھ چپقلش کو اہمیت حاصل ہے۔ پاک چین تعلقات میں بھارت ایک اہم عنصر رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پاک چین دوستی کا آغاز چین اور بھارت کے درمیان جنگ کے بعد ہوا تھا۔ قبل ازیں دونوں ممالک کے مابین تعلقات کافی حد تک سرد مہری کا شکار تھے۔ بھارت کو ہمیشہ پاک، چین تعلقات کے بارے میں تشویش لاحق رہی ہے۔ چنانچہ پاک چین سرحدی معاہدے پر تبصرہ کرتے ہوئے بھارتی وزیر اعظم آنجہانی پنڈت نہرو نے کہا کہ "پاکستان اور چین کا سرحدی معاہدہ پاکستان کی بدنیتی کا ثبوت ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان نے چین کے ساتھ تعلقات بڑھا کر ہماری مشکلات سے فائدہ اٹھانے کا تہیہ کر رکھا ہے"۔ سوویت یونین کے انہدام، سرد جنگ کے خاتمے اور نیو ورلڈ آرڈر کے نعرے کی بدولت عالمی صورتحال میں گہری تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد جہاں امریکہ واحد سپر پاور کے طور پر نمایاں ہوا ہے وہیں چین کو سب سے بڑی عالمی کمیونسٹ حکومت کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ امریکہ اور اس کے حواری چین کی بڑھتی ہوئی معاشی و عسکری قوت سے خائف ہیں۔ وہ چین کے بڑھتے ہوئے سیاسی اثرات کو روکنے (contain) کے لئے اقدامات کر رہے ہیں اب امریکی کی جنوبی ایشیا میں ترجیحات بھی بدل گئی ہیں۔ چین نے بدلی ہوئی صورتحال کو بھانپ کر خارجہ پالیسی میں لچک پیدا کی، اس کا ایک بڑا مظہر روس اور بھارت کے ساتھ تعلقات میں بہتری ہے۔

مغربی دانشور، ماہرین اور پالیسی ساز ساری صورتحال کا جائزہ ایک دوسرے زاویئے سے بھی لے رہے ہیں۔ سوویت یونین کے انہدام اور کمیونزم کی پسپائی کے بعد مغرب میں یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ اس کی تہذیب اور نظریات باقی دنیا سے برتر ہیں۔ دنیا کا مستقبل مغرب ہی کے ہاتھوں محفوظ رہ سکتا ہے۔ ہر ایسا نظریہ یا تہذیب جو مغرب کے لئے کسی چیلنج کا باعث ہو اس سے دنیا کو خطرہ لاحق ہو گا۔ ایسے کسی بھی خطرے سے دنیا کو بچانا مغرب کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ ان غلط مفروضات کی بنیاد پر کئی نظریات پیش کئے گئے جن کے بین السطور میں مغرب کی برتری پر مہر تصدیق ثبت کی گئی ہے۔ سب سے پہلے ۱۹۸۹ء میں امریکی وزارت خارجہ کے ایک افسر فوکویاما (Fakuyama) نے تاریخ کا خاتمہ (The end of History) کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا جس کا اصل حاصل یہ تھا کہ "مغربی طرز کی آزاد جمہوریت (Libral Democracy) کے کامیاب تجربے کے بعد کسی دوسرے سیاسی نظام کے قیام کی گنجائش نہیں رہی"۔ بعد ازیں امریکی یونیورسٹی کے پروفیسر ہنٹنگٹن (Huntington) نے اپنے مضمون تہذیبوں کا تصادم (Clash of Civilizations) میں کنفیوشس تہذیب (چین) اور اسلامی ممالک کے درمیان تعاون کو مغرب کے لئے مستقبل کا خطرہ قرار دیا۔ کچھ ہی عرصے بعد اکنامسٹ کے ایسوسی ایٹ ایڈیٹر برائن بیدم (Brain Beedham) نے روس، چین اور اسلامی ممالک کو اکیسویں صدی میں مغربی جمہوریت کے لئے ممکنہ حریف قرار دیا۔ مغربی دانشوروں کے مذکورہ نظریات خصوصاً آخری دو سے ایک بات واضح ہے کہ چین کی بڑھتی ہوئی قوت اور مسلم ممالک میں بیداری کی لہر مغرب کے پر سوار ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ مذکورہ دو عناصر ان کی عالمی پالیسیوں کے تعین میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں۔

امریکہ اس وقت چین کے اثرات کو روکنے کے لئے دو رخی حکمت عملی پر گامزن ہے۔ ایک طرف وہ چین کے ساتھ معاشی و تجارتی تعاون کو فروغ دے رہا ہے تاکہ ۱۲۰ کروڑ افراد پر مشتمل وسیع مارکیٹ سے فائدہ اٹھا سکے۔ اس کی کوشش یہ ہے کہ چین کے ساتھ تجارتی تعلقات سے اس حد تک بڑھائے جائیں کہ چین کی معیشت کا انحصار امریکہ پر تدریجاً بڑھتا چلا جائے۔ یوں اس کو چین کے اندر جمہوریت کے فروغ کے بھی مواقع مل سکتے ہیں۔ دوسری طرف وہ عالمی سطح پر چین کو تنہا کرنے کی حکمت عملی اپنا رہا ہے۔ جاپان اور چین کے مابین معاشی تعاون امریکی و مغربی معیشت کی کمر توڑ سکتا ہے۔ چنانچہ امریکہ جاپان کے ساتھ سیاسی، اقتصادی اور فوجی تعاون پر توجہ مرکوز کئے ہوئے تاکہ جاپان علاقے کے اندر (inward) تعاون کی بجائے ایشیا پیسفک (Asia Pacific) خطے پر انحصار کرے۔ جنوبی ایشیا میں وہ بھارت کی پیٹھ تھپک رہا ہے تاکہ چین پر دباؤ بڑھتا رہے۔ تائیوان کو ایف ۱۶ طیاروں کی فروخت اور جنوبی کوریا کی پشت پناہی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ امریکہ بہادر چین اور اسلامی ممالک کے درمیان معاشی و تجارتی تعلقات کو بھی تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کی یہ کوشش بھی ہے کہ اسلامی ممالک کو چین سے دور کیا جائے۔ چنانچہ سنکیانگ کی مسلم آبادی اور چینی حکام کے درمیان تصادم کو بعض ماہرین اسی نقطہ نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ مسلم ممالک میں ایران اس وقت امریکہ کے لئے سب سے بڑا درد سر ہے۔ اس کو بھی علاقائی ممالک خصوصاً پاکستان، افغانستان وغیرہ سے دور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ چین کے پالیسی سازوں کو امریکی خطرے کا ادراک ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی سرد جنگ کے دور کی خارجہ پالیسی میں کئی نمایاں تبدیلیاں کی ہیں۔ بھارت کے ساتھ تعلقات کا فروغ اور روسی صدر بورس یلسن (Yeltsin) کا ۱۹۹۶ء کے موسم بہار میں چین کا دورہ چینی حکومت کا اپنے آپ کو تنہا ہونے سے بچانے کا غماز ہے۔ چین کی خارجہ پالیسی حقیقت پسندانہ سوچ پر مبنی ہے۔ چین اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ جغرافیائی سرحدوں کے قریبی ممالک سے مستقل دشمنی اس کے مفاد میں نہیں خصوصاً نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ کرنے کے لئے علاقے کے ممالک سے خوشگوار تعلقات ضروری ہیں۔

ڈینگ کے انتقال کے بعد امید یہی ہے کہ چینی صدر جیانگ (Jiang) سابقہ پالیسی کو برقرار رکھیں گے۔ بلکہ توقع یہ کی جا رہی ہے کہ چین معاشی آزادیوں میں اضافہ کرے گا۔ تاکہ عالمی تجارتی تنظیم (World Trade Organization) کا ممبر بن

(باقی صفحہ پر)

آئین کی دفعہ ۳۷ کے تحت سود کا جلد از جلد خاتمہ ریاست کی منصبی ذمہ داری ہے

انسداد سود کے متعلق اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ اپنے موضوع پر دنیا کی بہترین کوشش ہے

انسداد سود کی کوششوں کی تاریخ

جسٹس (ریٹائرڈ) تنزیل الرحمٰن

تحریم ربا کے بارے میں قرآن مجید کے قطعی اور انتہائی سخت احکام کے پیش نظر ہر اسلامی حکومت کا یہ بنیادی فریضہ ہے کہ وہ اپنی حیات اقتصادی کے ہر دائرے اور معاشی زندگی کے ہر پہلو سے ربا کے لین دین کو' اس کی ہر شکل و صورت میں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے۔

آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل نمبر ۲۲۷ میں یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ اس وقت ملک میں جو قوانین نافذ و رائج ہیں انہیں بدل کر قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و تعلیمات کے مطابق ایسے قوانین وضع اور جاری کئے جائیں گے جو ہماری تاریخی' تہذیبی اور ثقافتی روایات سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ جدید دور کے ہر آن تغیر پذیر مادی تقاضے بھی بحسن و خوبی پورے کرتے ہوں اور آرٹیکل نمبر ۳۱ میں کہا گیا ہے کہ ملک کے اندر حکومت کی جانب سے ایسے سازگار حالات پیدا کئے جانے چاہئیں اور ایسے تعمیری اقدامات بروئے کار آنے چاہئیں جو اہل پاکستان کو یہ موقع مہیا کریں کہ وہ اپنی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی دائروں میں اپنا طرز عمل اسلام کے بنیادی اصولوں اور آفاقی تصورات کے مطابق تبدیل کر سکیں۔

امت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر کا اس رائے پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی اصطلاح ربا سود کی ہر شکل و صورت اور نوعیت پر حاوی ہے۔ چنانچہ پیداواری مقاصد کے لئے دیئے گئے قرضوں پر سود لینا بھی ایسا ہی حرام ہے جیسا گھریلو مصارف کے قرضوں پر۔ یہی وجہ ہے کہ آئین پاکستان کے آرٹیکل نمبر ۳۷ میں' جو مملکت پاکستان کی حکمت عملی کے بنیادی اصولوں سے تعلق رکھتا ہے' اس بات کو ریاست کی منصبی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے' ملک کی اقتصادیات کو سود کے لین دین سے بالکل پاک کر دے۔

لیکن یہ حقیقت بڑی افسوسناک ہے کہ مسئلے کی اس اہمیت کے باوجود قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۷ء تیس سال تک استیصال سود کے لئے کوئی قابل ذکر کوشش نہیں کی گئی۔ اس سلسلے میں اولین عملی اقدام کا شرف صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو حاصل ہوا۔ انہوں نے ۱۹۷۷ء میں حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی جہاں اور بہت سے اصلاحی اقدامات کئے وہاں انسداد سود کے لئے خصوصیت سے ۲۹ ستمبر ۱۹۷۷ء کو اسلامی نظریاتی کونسل سے کہا کہ وہ قرآن و سنت کے پیش کردہ معاشی اصولوں کی روشنی میں ایک ایسا اقتصادی ڈھانچہ تیار کرے جو سود کی آمیزش سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی ترقی پذیر معیشت کے لئے موجب استحکام اور باعث ترقی و ترفع ہو۔ صدر محترم نے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ بمطابق ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے اس کام کے لئے تین سال کی مدت مقرر کی اور اعلان فرمایا کہ اس کے بعد قومی معیشت سے سود کا عمل دخل بالکل ختم کر دیا جائے گا۔

انسداد سود کے مسئلے سے صدر ضیاء الحق کی دلچسپی صرف اسی اعلان کی حد تک نہ رہی بلکہ وہ اس سلسلے میں کونسل کے کام اور اس کی رفتار ترقی سے مسلسل آگاہی حاصل کرتے رہے۔ انہوں نے کونسل کی پیش کردہ سفارشات نافذ کرنے کے لئے بروقت ضروری احکامات صادر فرمائے۔ چنانچہ کونسل کی تجویز کے مطابق ملک میں زکوٰۃ و عشر کا نظام رائج کیا گیا اور حکومت کے قائم کردہ مختلف مالی اداروں مثلاً این آئی ٹی' آئی سی پی اور ایچ بی ایف سی کے لین دین سے سود کا عنصر ختم کر دینے کا اہتمام کیا۔

ملک کے اقتصادی اور مالی نظام کو سود سے پاک کرکے اسے اسلامی احکام و تعلیمات کے مطابق از سر نو مرتب و منظم کرنے کا جو اہم فریضہ اسلامی نظریاتی کونسل کے سپرد ہوا تھا' اسے بحسن و خوبی انجام دینے کے لئے ضروری تھا کہ کونسل کو علمائے دین کے علاوہ جدید اقتصادیات کے ماہروں اور تجربہ کار بینک کاروں کا تعاون بھی حاصل ہو۔ چنانچہ کونسل نے نومبر ۱۹۷۷ء میں ملک کے نامور ماہرین اقتصادیات و بینک کاری پر مشتمل ایک پینل قائم کیا جس نے اپنی رپورٹ فروری ۱۹۸۰ء میں کونسل کے سامنے پیش کی۔ کونسل کے متعدد جلسوں میں اس رپورٹ کے تمام پہلوؤں کا دقت نظر سے تفصیلی جائزہ لیا گیا اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی مناسب اصلاح و ترمیم کے علاوہ ضروری حذف و اضافہ سے بھی کام لیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ کونسل کی پیش کردہ رپورٹ ہر پہلو سے شرعی احکام کے مطابق اور اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہو۔ اس طرح مکمل غور و خوض اور نوک پلک سنوارنے کے بعد کونسل کے اجلاس مورخہ ۱۵ جون ۱۹۸۰ء منعقدہ کراچی میں اس رپورٹ کو آخری شکل دی گئی جو ۲۵ جون ۱۹۸۰ء کو صدر ضیاء الحق کی خدمت میں پیش کر دی گئی۔

خاتمہ سود سے متعلق کونسل کی رپورٹ اپنے موضوع پر دنیا میں سب سے پہلی کوشش ہے جس کی تیاری میں نہ صرف صاحبان بصیرت' علمائے دین بلکہ جدید اقتصادیات و بینکاری کے پیچیدہ عملی' علمی اور فنی مسائل کا گہرا شعور و ادراک رکھنے والے ماہرین حضرات کا وسیع تجربہ بھی شامل ہے۔

درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق و تائید سے یہ مشکل کام تکمیل پذیر ہو سکا۔

خاتمہ سود کے موضوع پر کونسل کی مذکورہ

رپورٹ تعارف کے علاوہ پانچ ابواب اور ایک اختتامیہ پر مشتمل ہے جس میں کونسل کے اخذ کردہ نتائج اور اس کی سفارشات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

اگرچہ کونسل کی رپورٹوں کی عام اشاعت پر پابندی تھی لیکن صدر ضیاء الحق نے ملکی معیشت کو سود سے پاک کرنے کے سلسلے میں اس رپورٹ کی عام اشاعت کی اجازت دے دی۔ یہ رپورٹ کونسل کے دفتر واقع اسلام آباد سے دستیاب ہے۔

وزیر اعظم نواز شریف صاحب نے اپنی نشری تقریر مورخہ ۲۳ فروری میں خاتمہ سود کے سلسلے میں ایک کمیشن/ کمیٹی بنانے کا اعلان کیا ہے' یوں ایک مرتبہ پھر ملکی معیشت سے سود کے عمل دخل کو ختم کرنے کا مسئلہ ملکی سطح پر اٹھنے والا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا غیر مناسب نہ ہو گا کہ ماضی قریب میں وفاقی حکومت کی جانب سے وقتاً فوقتاً کمیشن اور کمیٹیاں بنتی رہی ہیں۔ مثال کے طور پر نفاذ شریعت آرڈی نینس مجریہ ۱۵ جون ۱۹۸۸ء کے تحت صدر ضیاء الحق مرحوم و مغفور کے حکم سے ڈاکٹر پروفیسر احسان رشید (سابق وائس چیئرمین کراچی یونیورسٹی) کی سربراہی میں ایک اسلامی معیشت کمیشن کا قیام عمل میں آیا۔ اس کمیشن نے کم و بیش ایک سال کام کیا۔ اس دوران دسمبر ۱۹۸۸ء میں محترمہ بے نظیر صاحبہ ملک کی وزیر اعظم مقرر ہو گئیں۔ ان کی حکومت نے اس آرڈی نینس کو نو منتخب قومی اسمبلی میں پیش نہ کیا جس کے سبب وہ آرڈی نینس اپنی مدت پوری ہونے پر خود بہ خود منسوخ ہو گیا اور اسلامی معیشت کمیشن بھی ختم کر دیا گیا۔ بعد ازاں نفاذ شریعت ایکٹ مجریہ ۱۱ مئی ۱۹۹۱ء کی دفعہ ۸ کے تحت نواز شریف صاحب کی پہلی حکومت کے دور میں ملکی معیشت کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے سلسلے میں ایک کمیشن قائم کیا گیا جس کے سربراہ اس وقت کے گورنر اسٹیٹ بینک بنائے گئے۔ اس کمیشن نے نواز شریف صاحب کے دور حکومت میں خاصا کام کیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب The Judgement that could not be delivered مطبوعہ کراچی' صفحات ۱۳۸-۱۳۹۔ لیکن ۱۹۹۳ء میں محترمہ بے نظیر صاحبہ کی حکومت دوبارہ قائم ہو جانے کے بعد ہر دو ادوار ۱۹۸۸-۱۹۹۰ء میں ان کی حکومت کی اسلام گریز پالیسی کے مطابق یہ کمیشن بھی دوسرے اسلامی اداروں (مثلاً اسلامی نظریاتی کونسل' فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ اپیلیٹ بنچ) کی طرح بے عملی کا شکار ہو گیا۔ ان ہر دو کمیشنوں کا ریکارڈ وزارت خزانہ میں موجود ہونا چاہئے جس سے استفادہ کیا جانا چاہئے۔ مزید برآں وزیر اعظم محمد نواز شریف صاحب ہی کے سابقہ دور حکومت میں خود وزیر اعظم صاحب کے حکم سے ایک خاص کمیٹی سینٹر پروفیسر خورشید احمد کی سربراہی میں غیر ملکی قرضوں سے نجات اور خود انحصاری (Self Reliance) کے حصول کے لئے قائم کی گئی تھی جس نے اپنی رپورٹ ۱۰/اپریل ۱۹۹۱ء کو وزیر اعظم نواز شریف صاحب کی خدمت میں پیش کر دی تھی۔ قبل ازیں غلام اسحاق خان صاحب نے بحیثیت وزیر خزانہ ڈاکٹر نواب حیدر نقوی' ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف اکانومکس کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کی تھی جس نے اپنی رپورٹ (Agenda for Economic Reforms) عرصہ ہوا حکومت کو پیش کر دی تھی۔ (اگرچہ میری ایک نجی ملاقات کے دوران انہوں نے اس رپورٹ کے بعض مندرجات سے بعد میں رجوع کر لیا تھا جو ایک پسندیدہ بات ہے۔)

ان رپورٹوں کے علاوہ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد' انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اکانومکس' اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد' انسٹی ٹیوٹ آف ڈویلپمنٹ آف اکانومکس اسلام آباد' ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ کے تحت قائم شدہ انٹرنیشنل اسلامک اکانومکس سینٹر کے زیر اہتمام گزشتہ پندرہ سولہ سال میں منعقد ہونے والے متعدد مجالس مذاکرہ (سیمینار) کی رپورٹیں شائع ہو چکی ہیں۔ نیز اس دوران اسلامی معاشیات پر خاص طور پر انگریزی زبان میں شائع ہونے والے لاتعداد مضامین و کتب ان پر مستزاد ہیں۔ اس ذکر سے میرا مقصد یہ ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف جو کمیشن قائم فرمائیں وہ اپنا کام نئے سرے سے شروع کرنے کی بجائے وزارت خزانہ اور دیگر تمام اداروں میں موجود تمام رپورٹوں کا تجزیہ کرنے کے بعد جلد از جلد اپنی سفارشات حکومت کو پیش کرے اور حکومت ان سفارشات و تجاویز پر اپنی پہلی فرصت میں غور کر کے ان سفارشات و تجاویز کے نفاذ کے لئے عملی اقدامات کرے۔ سود کے خاتمے کے لئے دو مرحلوں پر مشتمل پروگرام شروع کیا جا سکتا ہے۔ پہلے مرحلے کے طور پر بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کے ان اثاثوں سے جو اندرون ملک لین دین میں استعمال ہوتے ہیں' سود کو مکمل طور پر ختم کیا جانا چاہئے۔ دوسرے مرحلے میں بین الاقوامی تجارت اور بیرونی قرضوں کو سود سے پاک کرنے کا عمل ہے۔ یہ مرحلہ اگرچہ دشوار ہے لیکن نیک نیتی کے ساتھ کام شروع کیا جائے تو راستہ کی تمام دشواریاں ان شاء اللہ دور ہو جائیں گی۔ (اس کی تفصیل زیادہ ہے جس کی اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے)۔

اور آخر میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اسلامی معیشت کمیشن یا کمیٹی کا قیام عوامی دباؤ کو کم کرنے کی غرض سے محض وقت گزاری کے لئے نہیں بلکہ بامقصد (Meaningful) ہونا چاہئے۔ نیز کام کو جلد از جلد مکمل کرنے کی غرض سے کمیشن کا چیئرمین کل وقتی بدرجہ وفاقی سیکرٹری ہونا چاہئے تاکہ وزارت خزانہ میں اس کی بات پوری توجہ سے سنی جائے اور اس کو مناسب اہمیت دی جائے اور چیئرمین کے مشورے سے کم از کم دو ارکان ہمہ وقت بدرجہ جوائنٹ سیکرٹری مقرر ہونا چاہئیں۔ ان میں سے ایک جید عالم ہو جس کو ملکی معاشی مسائل کی سوجھ بوجھ بھی ہو۔ اس تجویز کا مقصد یہ ہے کہ کل وقتی چیئرمین اور دو ہمہ وقتی ارکان اس کام میں مکمل یکسوئی اور انہماک کے ساتھ لگ جائیں البتہ کمیشن کے دیگر ارکان حسب دستور بوقت اجلاس رائے اور مشورہ کے لئے موجود ہوں۔ اس طرح ان شاء اللہ کمیشن کا کام کم سے کم مدت میں مکمل ہو جائے گا۔

(بشکریہ روزنامہ "جسارت")

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک نہایت مؤثر اور جامع خطاب

مثیلِ عیسیٰؑ --- علیؓ مرتضیٰؓ

صفحات ۵۲' عمدہ طباعت' قیمت (اشاعت عام)۔/۷ روپے

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن

حیات مودودیؒ کا آخری اور اہم ترین ورق

زندگی کے آخری ایام میں میاں طفیل محمد کے رویئے پر شدید صدمہ

—— اور ——

خود اپنی تین غلطیوں کا اعتراف!

مولانا مرحوم کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد فاروق مودودی (مقیم امریکہ) کے چشم کشا انکشافات

روایت: شیخ جمیل الرحمٰن (کراچی)

"ندائے خلافت" کی حالیہ اشاعت (۲۱ / تا ۲۸ مئی) میں "حیات مودودیؒ کا ایک روشن ورق" پڑھ کر ایک جانب تو "کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں۔ اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے!" کے سے انداز میں بہت سی پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ اور دوسری جانب یہ خیال آیا کہ میں بھی ایک امانت کے بوجھ سے سبکدوش ہو جاؤں جو کئی سال سے اپنے سینے میں لئے پھر رہا ہوں۔ ڈاکٹر سید احمد فاروق مودودی اور مولانا مرحوم کے دوسرے پسماندگان تو نامعلوم ایسی کتنی امانتوں کا بوجھ عربی مقولے "صدور الابرار صندوق الاسرار" (یعنی شریف لوگوں کے سینے رازوں کے بند خزانے ہوتے ہیں) کے مطابق اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں، جنہیں وہ ع "مصلحت نیست کہ از پردہ بروں آید رازا" کے مصداق ابھی عام کرنا خلاف مصلحت سمجھتے ہوں، لیکن میرے نزدیک اب وقت آگیا ہے کہ ان رازوں کو عام کر دیا جائے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب تنظیمی کام کے سلسلہ میں اغلباً اپریل ۹۴ء میں میرا لاہور جانے کا اتفاق ہوا تو محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ سے معلوم ہوا کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے صاحبزادے جناب ڈاکٹر احمد فاروق مودودی آج کل امریکہ سے پاکستان تشریف لائے ہوئے ہیں اور ڈاکٹر صاحب ان سے کئی بار ملاقات بھی کر چکے ہیں۔ میرے دل میں بھی موصوف سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔ چنانچہ میں نے فون پر رابطہ قائم کر کے وقت طے کیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ پہلی نظر میں تو ایسا محسوس ہوا کہ سید مودودیؒ کلین شیو صورت میں تشریف فرما ہیں —— مجھے اچانک مولانا منظور نعمانیؒ کے وہ الفاظ یاد آ گئے جو انہوں نے مولانا مرحوم سے اپنی پہلی ملاقات کے متعلق لکھے تھے جو اغلباً ۳۶ء یا ۳۷ء میں ہوئی تھی۔ مولانا نعمانیؒ کے بیان کے مطابق سید مودودیؒ اس وقت کلین شیو تھے۔ مولانا نعمانی مرحوم نے لکھا تھا کہ سید مودودیؒ کے ترجمان القرآن میں ان کے فکر انگیز اور دین اسلام کی محبت سے لبریز مضامین پڑھ کر ان کی شخصیت کا جو ہیولا ان کے ذہن میں بنا تھا، اس کے بالکل متضاد صورتحال سے دوچار ہو کر وہ خاصے پریشان ہوئے تھے۔ لیکن مولانا نعمانیؒ نے آگے اس خیال کا بھی اظہار فرمایا تھا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس مادہ پرست مغربی ذہن سے مرعوب تعلیم یافتہ افراد کو دور جدید کے تقاضوں کے مطابق دین کے حکم و معارف کی تشریح کے لئے متکلمانہ صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، ان شاء اللہ العزیز اسی کی توفیق سے مولانا مودودیؒ کے ظاہر میں بھی تبدیلی آئے گی۔ اور جلد ہی مولانا نعمانیؒ کے اس خیال نے عملی صورت اختیار کر لی۔ وللہ الحمد والمنہ

ڈاکٹر احمد فاروق مودودی نے بڑے تپاک سے میرا خیر مقدم کیا اور فرمانے لگے کہ فون پر آپ کا نام سن کر ہی میں آپ کو پہچان گیا تھا، آپ میرے لئے بالکل اجنبی نہیں ہیں۔ میں ۵۶ء میں ابا جان کے ساتھ آپ کے مکان پر ایک دعوت طعام میں بھی شریک ہوا تھا۔ مزید برآں اسی دوران میں کراچی کی جماعت کے اکابر کے ساتھ آپ سے چند ملاقاتیں بھی ہوئی تھیں —— ڈاکٹر صاحب موصوف سے ڈیڑھ گھنٹے نہایت خوشگوار ماحول اور عمروں کے تفاوت کے باوصف بے تکلفی کے ساتھ تبادلہ خیال ہوا۔ ان کی باتوں سے مترشح ہوا کہ وہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی دعوت رجوع الی القرآن اور تحریک اقامت دین کے لئے تنظیم اسلامی کے قیام سے پورے شرح صدر کے ساتھ متفق ہیں۔ بلکہ تنظیم کے اصول و مبادی اور اس کے خصائص کے بھی پوری طرح موید ہیں۔ نیز طریق کار کو بھی بالکل صحیح سمجھتے ہیں —— مجھے یاد پڑتا ہے کہ موصوف نے یہاں تک فرمایا کہ اگر ڈاکٹر صاحب مناسب خیال فرمائیں تو وہ تنظیم کی رفاقت کے لئے بھی خود کو پیش کرنے کے لئے آمادہ ہیں، لیکن مصلحت و حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ابھی توقف کیا جائے۔ چونکہ میرے اس سفر کا اصل مقصد یہ ہے کہ جماعت اسلامی سے "ترجمان القرآن" کی اشاعت واپس بالکلیہ "ادارہ ترجمان القرآن" کے زیر اہتمام حاصل کر لی جائے اور اسے جماعت اسلامی کے ترجمان کی حیثیت سے شائع کرنے کے بجائے فکر مودودی اور دعوت اسلامی یعنی تطہیر افکار اور تعمیر سیرت و کردار کا نقیب بنایا جائے۔ مزید برآں "تفہیم القرآن" کی مستقل اشاعت نیز اس کی رائلٹی کے متعلق بھی ایک نیا معاہدہ کیا جائے —— ان کاموں کی انجام دہی سے قبل تنظیم اسلامی کی رفاقت ان کاموں کے حسب منشا انجام پانے میں رکاوٹ بن جائے گی۔

میرے پیش نظر یہ بات بھی تھی کہ اس ملاقات کے موقع پر میں ان سے سید مودودیؒ کے آخری ایام کے بارے میں کچھ کوائف معلوم کروں۔ ڈاکٹر مودودی کے تلطف و تکریم کو دیکھتے ہوئے میں نے اس کی جرات کر ہی ڈالی۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بعض اہم باتیں بیان فرمائیں۔ ان باتوں کو میں اپنی یادداشت سے ضبط تحریر میں لا رہا ہوں۔ لیکن چونکہ ایک تو یہ باتیں کافی عرصہ گزرنے کے بعد لکھی جا رہی ہیں، دوسرے

روایت کے بیان میں تسامح یا حک و اضافہ کا پورا احتمال ہوتا ہے للذا رب کریم سے یہ دعا کرتے ہوئے کہ ربنا لاتواخذنا ان نسینا او اخطانا تحریر کا آغاز کر رہا ہوں۔ میری کوشش ہوگی کہ مفہوم واضح ہو سکے وما توفیقی الا باللہ :

۱۔ ڈاکٹر احمد فاروق صاحب نے بتایا کہ ایک روز جب وہ رات کو اپنے مطب سے فارغ ہو کر گھر آئے اور "اباجان" کی خدمت میں معمول کے مطابق حاضری دی تو ان کو حد درجہ مغموم پایا۔ یہاں تک کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اباجان کو زندگی بھر کبھی اتنا ملول اور غمگین نہیں دیکھا تھا۔ دریافت کرنے پر اباجان نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا' البتہ اپنے تکیے کے نیچے سے ایک خط نکال کر میرے ہاتھ میں تھمادیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ "اباجان نے میاں طفیل محمد صاحب امیر جماعت اسلامی کو خط لکھا تھا کہ میری عربی کتابوں کی رائلٹی کی بڑی معقول رقم (اغلباً ۳۰۔۴۰ ہزار ریال کے قریب) شام اور لبنان کے چند پبلشرز سے واجب الوصول ہے اور اب یہاں زیر علاج ہوں تو مجھے پیسوں کی شدید ضرورت ہے' اس لئے کہ میں حتی الامکان اپنی اولاد پر بوجھ نہیں بننا چاہتا۔ للذا براہ نوازش وہ جناب خلیل حامدی صاحب کو وہاں بھیج کر اس رقم کی وصولیابی کا انتظام کر کے تعاون فرمائیں۔ ان کے سفر کے جملہ اخراجات میں خود برداشت کروں گا"۔ اباجان نے میاں طفیل محمد صاحب کا جوابی خط مجھے دیا۔ اس میں میاں صاحب نے لکھا تھا کہ "حامدی صاحب جماعت اسلامی کے ہمہ وقتی کارکن ہیں۔ ان کے ذمے بڑے اہم کام ہیں للذا کسی "فرد" کے ذاتی کام کے لئے ان کا وقت صرف نہیں کرایا جاسکتا" (روایت بالمعنی)

۲۔ ڈاکٹر احمد فاروق صاحب نے بتایا کہ مختلف مواقع پر اباجان سے جماعت اسلامی نیز پاکستان کے موجود الوقت حالات اور ان کے مستقبل کے بارے میں گفتگو اور تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب سے جو کچھ معلوم ہوا اس کا حاصل یہ ہے کہ مولانا مرحوم کو اپنی پوری دعوتی اور تحریکی زندگی کے دوران اپنی تین غلطیوں کا شدت کے ساتھ احساس تھا :

اولاً ـــــ یہ کہ جماعت کا مسلسل انتخابات میں حصہ لیتے رہنا غلط تھا! (اس سے جو مفہوم میں نے سمجھا وہ یہ تھا کہ ۱۹۵۱ء میں پنجاب کے صوبائی انتخابات میں حصہ لینا تو غلط نہ تھا ـــــ لیکن ان کے نتائج کے پیش نظر اپنی حکمت عملی پر فی الفور نظر ثانی کر لینی چاہئے تھی۔ جمیل الرحمٰن)

ثانیاً ـــــ یہ کہ پاکستان کی صدارت کے لئے محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت بھی مناسب نہیں تھی!

ـــــ اور

ثالثاً ـــــ یہ کہ خود انہوں نے جماعت اسلامی کی امارت سے دستبردار ہو کر بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا۔ جس کے بعد ان کی حیثیت صرف ایک عام رکن کی رہ گئی' جو جماعت کی پالیسی پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

(اس سے تائید ہوتی ہے اس واقعے کی بھی جو مولانا وصی مظہر ندوی صاحب نے بیان کیا' یعنی یہ کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد' جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں مولانا مودودی مرحوم نے "بطور خاص" شرکت کی اور وہاں اپنی یہ حتمی رائے بیان کی کہ "پاکستان میں اسلامی نظام کا قیام انتخابات کے ذریعے ممکن نہیں ہے' اب ہمیں کچھ متبادل طریقوں پر غور کرنا چاہئے" ـــــ لیکن اس پر شوریٰ کے بعض نوجوان اور جوشیلے ارکان بالخصوص موجودہ "سیکرٹری جنرل" جناب سید منور حسن نے انتخابات میں حصہ لینے کے حق میں دلائل دینے شروع کئے ـــــ جس پر مولانا مرحوم ناراض ہو کر یہ کہتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوگئے کہ : "یہ دلائل میں نے ہی آپ لوگوں کو "پڑھائے" تھے لیکن اب میں جس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں' میں نے بیان کر دیا ہے ـــــ آگے آپ لوگ جانیں اور آپ کا کام!" ـــــ واضح رہے کہ مولانا وصی مظہر ندوی اس وقت شوریٰ کے رکن تھے! ـــــ جمیل الرحمٰن)

ڈاکٹر مودودی نے مزید کہا کہ میں نے اباجانؒ سے عرض کیا کہ آپ اپنے خیالات تحریر کر دیں یا املا کرا دیں۔ میں اس کی پاکستان بڑے پیمانے پر تشہیر کا انتظام کر دوں گا۔ اس پر اباجانؒ نے فرمایا کہ "بیٹا! میں نے خون پسینہ ایک کر کے جس گھروندے کو بنایا ہے اسے خود اپنے ہاتھوں کیسے توڑ دوں!" پھر کیا عجب ایک دو ٹھوکریں کھا کر اکابر جماعت کو خود ہی ہوش آجائے اور وہ اپنی تدبیر کی غلطیوں کی جس کا سبب میں خود بھی ہوں اصلاح کر لیں اور صحیح و موثر طریق کار کی طرف رجوع کر لیں"۔

اسامہ بن لادن پر قاتلانہ حملے کی کوشش

افغانستان کے پہاڑوں میں مقیم شہرت یافتہ عرب مجاہد' اسامہ بن لادن گزشتہ ماہ قاتلانہ حملے سے بچ نکلنے کے بعد اپنے اہل وعیال سمیت قندھار منتقل ہو گئے ہیں۔ پشاور سے باخبر ذرائع کا کہنا ہے کہ اس کارروائی میں پاکستان کمانڈوز کا ایک بھاری دستہ ملوث تھا۔

پیشتر اس کے کہ کمانڈوز اسامہ کے کیمپ تک پہنچ پاتے ان کی طالبان سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ جب طالبان نے مقابلے کے بعد انہیں غیر مسلح کر دیا تو پاکستانی سپاہیوں کا کہنا تھا کہ وہ منشیات کے خلاف کارروائی کے سلسلے میں افغانستان میں داخل ہوئے تھے۔ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ امریکہ کے کہنے پر پاکستانی دستے منشیات کے خلاف کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن کریسنٹ انٹرنیشنل کو باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس بار ان کا ہدف واقعتاً اسامہ ہی تھا۔

اسامہ پر حملے سے قبل پاکستانی کمانڈو پشاور کے قریب ایک گاؤں کو حملے کا نشانہ بنا چکے تھے جس میں عرب مجاہدین رہائش پذیر تھے۔ ۲۶/مارچ کے اس حملے میں جو ۳۲ گھنٹے سے اوپر جاری رہا کہ کم از کم ۶ مجاہد شہید ہوئے۔

امریکہ اور اس کے حواری عرب حکمرانوں کو روس کی فوجی شکست کے نتیجے میں جن ناموافق اثرات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ بہت سے عرب نوجوان چھاپہ مار جنگ میں تربیت حاصل کر گئے ہیں جو ان کے اقتدار کے لئے خطرے کا باعث بن رہے ہیں۔ چنانچہ پاکستان کی ہر آنے والی حکومت کو اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے حصول کے لئے ان عرب مجاہدین کو نشانہ بنانے کا "فریضہ" ادا کرنا پڑ رہا ہے' حالانکہ ان میں سے بعض نے یہاں شادی کر کے پاکستانی شہریت حاصل کر رکھی ہے۔ جو عرب مجاہد اب تک پاکستانی حفاظتی اور خفیہ ایجنسیوں کے ہاتھ نہیں لگ سکے ان میں اسامہ بن لادن بھی شامل ہیں۔ طالبان کو داد دی جانی چاہئے کہ امریکہ اور پاکستان کا مرہون منت ہوتے ہوئے انہوں نے اسامہ کے معاملے میں پیٹھ نہیں دکھائی۔

اسامہ کی سعودی حکمرانوں اور جزیرہ نمائے عرب میں امریکی افواج کی موجودگی کی مخالفت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اور یہ وہ بات ہے جس سے اکثر مسلمانوں کو اتفاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسامہ کے خلاف کمانڈو آپریشن پر پاکستان میں غم و غصے کا اظہار کیا گیا ہے اور یہاں کے علماء کے ایک وفد نے اسامہ سے ملاقات کر کے ان کے موقف کی تائید کی ہے۔ (ماخوذ از : کریسنٹ انٹرنیشنل' ۱۵ مئی ۱۹۹۷ء)

اسلام آباد سے راولاکوٹ تک

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے چھ روزہ نہایت مصروف دورے کی روداد

جس کے دوران صدر پاکستان اور وزیراعظم سے ملاقات کا موقع بھی ملا

مرتب : عبدالرزاق' ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان

امیر محترم نے گزشتہ توسیعی مجلس عاملہ کے اجلاس کے دوران اسلام آباد و راولپنڈی کے رفقاء سے بعض اہم تنظیمی امور پر مشورہ کرنے اور ملک کی بعض اہم شخصیات سے ملاقاتیں کرنے کی غرض سے پانچ چھ روز تک راولپنڈی و اسلام آباد کا دورہ کرنے کا عندیہ ظاہر فرمایا۔ اس موقع پر حلقہ آزاد کشمیر کے ناظم جناب خالد محمود عباسی نے امیر محترم کو راولاکوٹ کے ایک روزہ دورہ کی دعوت دی جو امیر محترم نے منظور فرمالی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انجمن خدام القرآن راولپنڈی نے مقامی بڑے ہوٹل میں ایک سیمینار کرنے کا پروگرام بھی طے کر لیا جس کی صدارت امیر محترم کو کرنا تھی۔ اسی طرح ناظم حلقہ پنجاب شمالی نے امیر محترم کی اجازت سے واہ کینٹ کی جامع مسجد میں امیر محترم کی تقریر کا پروگرام طے کر لیا۔

دورے کا آغاز 21 مئی کی صبح ہوا' جناب امیر محترم اور راقم الحروف پی آئی اے کے ذریعے صبح سوا سات بجے لاہور سے اسلام آباد پہنچے۔ 21 مئی کی دوپہر ہی کو کیونکہ راولاکوٹ میں پروگرام طے تھا اس لئے ہم نے اسلام آباد سے راولاکوٹ کی فلائٹ بھی بک کروا رکھی تھی۔ راولاکوٹ کے لئے فلائٹس کا دارومدار موسم کے صاف اور خوشگوار ہونے پر ہوتا ہے۔ اگرچہ راولپنڈی میں مطلع بالکل صاف تھا اس کے باوجود ہم نے سوچا کہ اگر راولاکوٹ میں خراب موسم کے باعث عین وقت پر (یعنی پونے دس بجے) فلائٹ کینسل ہو گئی تو ہم وقت کی تنگی کے باعث بذریعہ سڑک وہاں بروقت پہنچنے کے قابل بھی نہ رہیں گے۔ چنانچہ زیادہ احتیاط کرتے ہوئے ہم نے جہاز کی ٹکٹیں کینسل کروائیں اور ایک رفیق کے گھر پر ناشتہ کر کے بذریعہ سڑک راولاکوٹ کے لئے روانہ ہوئے۔ سڑک تنگ اور نہایت ناہموار تھی' چنانچہ ساڑھے چار گھنٹے کے تھکا دینے والے سفر کے بعد دوپہر ڈیڑھ بجے کے لگ بھگ وہاں پہنچے۔

جلسے کا وقت پہلے گیارہ بجے طے تھا' بعد میں اسے تبدیل کر کے تین بجے بعد دوپہر نماز اور کھانے سے فارغ ہو کر امیر محترم نے کچھ دیر آرام کیا۔ ہم ٹھیک تین بجے خطاب کے لئے ڈسٹرکٹ کونسل ہال پہنچ گئے۔ پورا ہال پہلے ہی سے سامعین سے پر ہو چکا تھا اور اب بر آمدوں میں لوگ اپنی جگہ بنا رہے تھے۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد امیر محترم نے خطاب کا آغاز فرمایا۔ آپ نے ایمان کی حقیقت اور اس کے تقاضے کے طور پر جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت پر زور دیا نیز پاکستان میں مختلف سطحوں پر نفاق کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ عذاب دراصل اللہ کے ساتھ کئے گئے وعدوں سے بے وفائی کے نتیجے میں ہم پر مسلط ہوا ہے جس کی وجہ سے ہم نفاق باہمی' اخلاقی گراوٹ اور دستوری سطح پر نفاق میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس عذاب سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم انفرادی و اجتماعی سطح پر اللہ سے توبہ کریں اور اپنے طرز عمل کو درست کرتے ہوئے ملک میں اللہ کے دین کے غلبے کے لئے اجتماعی جدوجہد پر آمادہ ہو جائیں۔ خطاب کے اختتام پر اعلان کیا گیا کہ موضوع سے متعلق سوال وجواب کی نشست بعد نماز مغرب مقامی ریسٹ ہاؤس میں ہو گی۔ بعد نماز عصر جماعت اسلامی آزاد کشمیر کے نائب امیر جناب اعجاز افضل ایڈووکیٹ' امیر ضلع باغ ڈاکٹر خالد محمود اور دیگر چار افراد کے ہمراہ امیر محترم سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ تمام افراد نے بہت ہی محبت کا اظہار کیا۔ بعد نماز مغرب سوال وجواب کی نشست میں تقریباً بیس کے لگ بھگ لوگ تشریف لائے۔ امیر محترم نے لوگوں کے سوالات کے جواب دیئے۔ دیگر بہت سے سوالوں میں سے ایک سوال جناب الطاف حسین صاحب نے یہ کیا کہ کشمیر کی خود مختاری کا نام لینا اسلام کے حوالے سے کیسا ہے؟ امیر محترم نے فرمایا کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عام حالات میں اس مطالبے میں کوئی حرج نہ ہوتا لیکن اس وقت صورت حال تبدیل ہو چکی ہے۔ خلیج کی جنگ کے بعد نیو ورلڈ آرڈر کے حوالے سے امریکہ ننگا ہو کر سامنے آگیا ہے۔ افغانستان میں روس کو شکست دینے کے بعد وہ اب کشمیر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے وہ اقوام متحدہ کو ذریعہ بنا سکتا ہے اس لئے میری رائے میں کشمیر کو بھارت اور پاکستان کو چاہئے کہ وہ اس معاملے کو تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کے طور پر حل کریں اور اس کی تقسیم کا کوئی مناسب فارمولا واضح کریں۔ ایک اور سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ کشمیری جہاد' جہاد حریت ہے اور صحیح سمت میں ہے۔

اگلے روز 22 مئی کو صبح 9 بجے مقامی بار ایسوسی ایشن میں امیر محترم نے نبی اکرم ؐ کے مقصد بعثت کے حوالے سے خطاب فرمایا۔ آپ نے موجودہ عالمی تناظر میں کل روئے ارضی پر قیامت سے قبل نظام خلافت کے قیام کے حوالے سے احادیث رسول ؐ سے استشہاد کر کے ثابت کیا کہ اس کا آغاز خراسان سے ہو گا اور اسی علاقے سے جو پورے افغانستان پر اور ایران و پاکستان کے کچھ علاقوں پر مشتمل ہے اسی حکومت کے قیام کے بعد حضرت مہدی کی مدد کے لئے فوجیں یروشلم جائیں گی۔ شرکاء میں احادیث نبویہ پر مشتمل چار ورقہ نوید خلافت تقسیم کیا گیا۔ دس بجے ہم خطاب سے فارغ ہو کر بذریعہ ہوائی جہاز اسلام آباد پہنچے۔ اسی شام بعد نماز عصر ڈاکٹر وحید الزمان ملاقات کے لئے تشریف لائے اور مغرب تک ان سے گفتگو رہی۔ بعد نماز مغرب عبدالحفیظ کھوکھر صاحب

ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ ان سے ان کی تحریروں کے حوالے سے گفتگو رہی۔

23ر مئی کو صبح ساڑھے نو بجے امیر محترم نے صدر مملکت جناب فاروق احمد خان لغاری سے ملاقات کی جس میں انہیں دستوری نفاق دور کرنے کے لئے تنظیم اسلامی کے تجویز کردہ پانچ نکاتی مطالبے کی تائید کرنے کو کہا' کچھ دیگر امور بھی زیر بحث آئے۔

دوپہر سوا بارہ بجے امیر محترم نے جامع مسجد گلشن داون مری روڈ میں نماز جمعہ سے قبل تکمیل دستور خلافت کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ آپ نے نمازیوں سے تکمیل دستور خلافت مہم میں شرکت کی پرزور اپیل کی۔ مزید بر آں افغانستان کو تسلیم کرنے کے لئے قرارداد بھی منظور کروائی۔ اس موقع پر کتب کا اسٹال بھی لگایا گیا تھا۔ "خطبات خلافت" اور "استنبول سے ربلط تک" کتب کا سیٹ فروخت کے لئے پیش کیا گیا۔ 80 سیٹ فروخت ہوئے اور ابھی ڈیمانڈ موجود تھی۔ نماز کے بعد سوال وجواب کی نشست بھی ہوئی۔

بعد نماز مغرب امیر محترم نے راولپنڈی اور اسلام آباد کی تنظیموں کے امراء سے پہلے اجتماعی اور پھر ہر ایک امیر سے علیحدگی میں ملاقاتیں کیں اور بعض تنظیمی امور پر مشورہ کیا۔ 24ر مئی کو صبح کا وقت وزیراعظم کو پیش کی جانے والی یادداشت کی تیاری میں گزرا۔ اور 11 بجے دن انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے مرکزی آڈیٹوریم میں امیر محترم نے انگریزی زبان میں

"Essential Meanings of Khalifah and its constitutional structure in the modern age"

کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس پروگرام میں یونیورسٹی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات اور طلباء نے شرکت کی۔ اس پروگرام کا انتظام قرآن کالج کے ان تین طلباء نے کیا تھا اس پروگرام کا انتظام قرآن کالج سے بی اے کر کے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے نام محمد سلیم ضیاء' سید ہشام مغربی اور محمد مصطفیٰ رمضان ہیں۔

وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف جب دوسری مرتبہ امیر تنظیم سے ملاقات کے لئے قرآن اکیڈمی تشریف لائے تھے تو امیر محترم نے ان سے ایک وفد کے ہمراہ اسلام آباد میں ملاقات کا وقت بھی لے لیا تھا۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق تنظیم اسلامی کا ایک وفد جس میں امیر محترم کے علاوہ جنرل ایم ایچ انصاری نائب امیر برائے سیاسی امور' ڈاکٹر عبدالخالق امیر حلقہ پنجاب شرقی وپنجاب شمالی' جناب شمس الحق اعوان ناظم حلقہ پنجاب شمالی' جناب ظفر الامین اور راقم الحروف شامل تھے' دوپہر ڈیڑھ بجے وزیر اعظم ہاؤس پہنچے۔ تھوڑی ہی دیر میں میاں محمد جناب نواز شریف صاحب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ جن میں راجہ ظفر الحق' اسحاق ڈار' جسٹس غوث علی شاہ' جنرل مجید ملک وغیرہ شامل تھے۔ سب سے پہلے امیر محترم کی امامت میں نواز شریف سمیت سب حضرات نے نماز ظہر ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد امیر محترم نے خصوصی طور پر تیار کردہ یادداشت پڑھ کر سنائی۔ یہ یادداشت اس شمارے میں علیحدہ سے شائع کی گئی ہے۔ بعد نماز عصر واہ کینٹ کی جامع مسجد لالہ رخ میں خطاب کے لئے روانگی ہوئی۔ بعد نماز مغرب مذکورہ مسجد میں امیر محترم نے عظمت شہادت کے موضوع پر مفصل خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ شہادت کا جو مفہوم عام طور پر سمجھا جاتا ہے یعنی کہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا' قرآن مجید میں یہ لفظ بالعموم اس مفہوم میں استعمال نہیں ہوا۔ اللہ کی راہ میں جان دینے کے لئے قتال فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ آپ نے شہادت کی حقیقت کو سمجھانے کے لئے قرآن مجید کے مختلف مقامات سے استشہاد کیا اور اس کے اصل مفہوم کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ مسجد میں کثیر تعداد میں لوگ جمع تھے اور امیر محترم کے خطاب کو ہمہ تن گوش ہو کر سن رہے تھے۔ رات کو کافی دیر سے واپسی ہوئی۔

25ر مئی کو صبح 9:30 بجے امیر محترم نے تنظیم اسلامی کے ایک پرانے رفیق محمد نیاز مرزا کو دعوت ملاقات دی تھی ان سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔ دس بجے اسلام آباد اور راولپنڈی کے رفقاء کا اجتماع فیری لینڈ ہائی سکول میں شروع ہوا جہاں رفقاء کو امیر محترم کے اس خطاب کا آڈیو کیسٹ سنایا گیا جو موصوف نے لاہور کے رفقاء کے اجتماع میں 19ر مئی کو کیا تھا۔ کھانے اور نماز ظہر کے بعد راقم نے مختصر خطاب کیا اور اس کے تھوڑی دیر بعد ہی امیر محترم پریس کانفرنس سے فارغ ہو کر تشریف لے آئے۔ آپ نے رفقاء کے سوالات کے جواب دیئے اور آخر میں ڈاکٹر عبدالخالق کو حلقہ پنجاب شرقی کے ساتھ ساتھ حلقہ پنجاب شمالی کا بھی امیر مقرر کرنے کا بھی اعلان فرمایا۔

بعد نماز عصر انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام منعقدہ سیمینار میں شرکت کے لئے امیر محترم اسلام آباد ہوٹل پہنچے۔ اس سیمینار میں "ملکی معیشت کی تباہی کے اسباب" کے موضوع پر امیر محترم نے مفصل خطاب فرمایا۔ دیگر مقررین میں راجہ ظفر الحق' ڈاکٹر سید طاہر وغیرہ شامل تھے۔ 26ر مئی کو صبح 9 بجے امیر محترم نے تنظیم اسلامی کے وفد کے ہمراہ آزاد کشمیر کے سابق وزیر اعظم سردار عبدالقیوم خان سے ان کے مکان پر ملاقات کی اور باہمی دلچسپی کے امور پر گفتگو ہوئی۔ وہاں سے واپسی پر ڈاکٹر سید طاہر صاحب سے ملاقات میں سود سے متعلق بعض فقہی مسائل پر مفصل گفتگو ہوئی۔ ساڑھے گیارہ بجے پروگرام کے مطابق امیر محترم نے تنظیمی وفد کے ہمراہ افغان سفیر مولوی شہاب الدین دلاور صاحب سے ان کے دفتر میں ملاقات کی اور انہیں طالبان حکومت کو پاکستان کی حکومت کی طرف سے تسلیم کئے جانے پر مبارک باد پیش کی اور نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ جواب میں افغان سفیر نے بھی نہایت عمدہ انداز میں امیر محترم کی خدمت قرآنی کا اعتراف کرتے ہوئے امیر محترم کو افغانستان کے دورہ کی دعوت دی اور کہا کہ ہمیں بل کلنٹن یا نواز شریف کے افغانستان آنے کی اتنی خوشی نہیں ہوگی جتنی آپ جیسے عالم دین کے آنے سے ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ جیسے لوگ وہاں آئیں اور ہمیں ہماری کوتاہیوں سے مطلع کریں تاکہ ہم بہتر طور پر اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر سکیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہمیں زمین کو فتح کرنے کی خواہش نہیں ہے بلکہ ہم اقامت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ دوپہر کو کھانے اور نماز ظہر کے بعد ہمارا چھ روزہ دورہ اختتام کو پہنچا اور ہم براستہ سڑک رات ساڑھے آٹھ بجے لاہور واپس پہنچے۔ فللہ الحمد

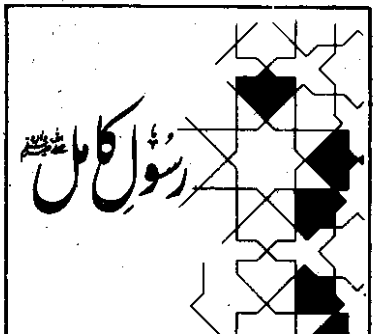

اشاعت خاص۔/۱۶ روپے' عام۔/۱۰ روپے

منصوبوں کا تاج محل' امیدوں کا کالا باغ

ملکی و قومی اعتبار سے انتہائی اہمیت رکھنے والے اس منصوبے کے معاملے میں ہم آج بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں آج سے دس سال پہلے تھے!

بانی جریدہ اقتدار احمد مرحوم کی ۱۰ سال پرانی تحریر "کالا باغ ڈیم' کیوں اور کیوں نہیں" سے ماخوذ ایک اقتباس' جو آج بھی روز اول کی طرح تروتازہ ہے۔

کالاباغ ڈیم اس وقت پاکستان کا سب سے زیادہ متنازعہ مسئلہ ہے۔ اخبارات و جرائد میں اسکے بارے میں خبروں' بیانات' وضاحتی مضامین اور ادارتی شذرات کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ ایک طرف اس کے حق میں دلائل کی گرم بازاری ہے' جنہیں پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس ڈیم کا بننا ملک کی اقتصادی حالت سنوارنے کے لئے ضروری ہی نہیں' لازم ہے تو دوسری طرف مخالفت میں اس کی تعمیر کے ایسے ہولناک نتائج کا نقشہ کھینچا جاتا ہے کہ ہر محب وطن شہری کا کلیجہ ان کے تصور ہی سے مونہہ کو آئے۔ بات چل نکلی تو یہاں تک پہنچی کہ مخالفین نے اسے اپنی زندگی اور موت کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ ایک سیاسی جماعت نے تو اس کو رکوانے کے لئے بیرونی ممالک سے مدد تک لینے کی دھمکی دے دی ہے۔ خدا وہ وقت نہ لائے کہ ایسی دھمکیوں کو عملی جامہ پہنانے کی نوبت آئے لیکن اس بات کی ضرورت سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ معاملے کی نوعیت پر سنجیدگی اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ غور کیا جانا چاہئے۔

معتدل مزاج رکھنے والے بعض ماہرین اور سیاست دانوں کی طرف سے یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ معاملے کی نوعیت فنی نہیں سیاسی ہے۔ اس نوع کے کئے بیانات نظر سے گزرے ہیں اور "ندا" نے آبی ذخیروں اور طبقات ارضی کے ماہر انجینئر اور "عوامی دور" کے وزیر خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن سے جب اس مسئلے پر روشنی ڈالنے کی درخواست کی تو انہوں نے بہت سے ی دوسری باتوں کے علاوہ جن کا تذکرہ اس تحریر میں کئی جگہ آئے گا' کانٹے کی بات یہی کہی کہ اس کی نوعیت خالص سیاسی ہے اور کوئی مضبوط سیاسی حکومت ہی اسے حل کرنے کی اہل ہے۔ بقول ان کے چونکہ موجودہ حکومت کی سیاسی کمر پر "کہاں ہے' کس طرف کو ہے' کدھر ہے؟" کی پھبتی بلا تردد کسی جاسکتی ہے لہٰذا اس گتھی کو سلجھانا اس کے بس کی بات نہیں۔ اس نظریئے کی تائید ہمیں ایک اور جہت سے بھی حاصل ہوئی۔ موجودہ وفاقی کابینہ کے آخری ردوبدل میں دو سالہ وزارت سے ہاتھ دھو بیٹھنے والے ایک معزز ایم این اے نے "ندا" کو بتایا کہ کابینہ نے جب بھی کالاباغ ڈیم پر سوچ بچار کیا' سیاسی مشکلات نے غور و فکر کی روانی پر بند باندھ دیا۔ بلکہ وہ تو یہاں تک کہہ گئے کہ ہم نے کئی بار صدر مملکت سے شکوہ کیا کہ مارشل لاء کے طویل دور اور اپنی "ہمہ مقتدری" کے زمانے میں وہ یہ کام شروع کرا دیتے تو کون تھا جو ان کا ہاتھ پکڑتا..... اب اس الجھن سے نپٹنا مینڈکوں کی پنسیری کے لئے دشوار بلکہ ناممکن ہے۔

کالاباغ ڈیم کی تعمیر میں حائل دشواریاں اگر واقعی سیاسی ہی ہیں تو موجودہ کیفیت شاید انہیں دور کرنے کے لئے موزوں ترین قرار دی جائے کہ مرکز میں اور چاروں صوبوں میں ایک ہی جماعت مسلم لیگ کی حکومت ہے۔ وزیر اعظم جماعت کے مرکزی قائد ہیں تو صوبائی صدارت کی کرسیوں پر چاروں وزرائے اعلیٰ رونق افروز ہیں۔ کسی ملک گیر سیاسی جماعت میں جس ہم آہنگی اور یکجہتی کی توقع کی جاسکتی ہے اس کی ایک کم تر سطح بھی سرکاری مسلم لیگ میں پائی جاتی ہو تو بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ چاروں صوبوں کی قیادت مل بیٹھ کر اس منصوبے کے حسن و قبح کے تجزیئے کے بعد کسی متفقہ نتیجے پر کیوں نہ پہنچ سکے۔ لیکن آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے وہ ہرگز امید افزاء نہیں۔ بڑے بھائی یعنی پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا ان کی کہ کالاباغ ڈیم جلد از جلد بنے جس کے بغیر صوبے کی جان پہ بنی رہے گی تو دو چھوٹے بھائی' سرحد و سندھ کے وزرائے اعلیٰ ڈیم کے خلاف جہاد میں اپنے مناصب ہی کو داؤ پر لگانے پر تیار نہیں جان پر بھی کھیلنے کو آمادہ ہیں اور سب سے چھوٹے بھائی یعنی بلوچستان کے وزیر اعلیٰ بیچ بچاؤ کے لئے اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ آخر یہ دھینگا مشتی کیوں؟ کیا کسی صوبے کا مفاد پورے ملک کی مصلحت سے مختلف کوئی چیز ہے یا ملک کی مجموعی بھلائی کسی خاص علاقے کے جزوی' عارضی بلکہ موہوم اندیشوں پر بھی قربان کی جاسکتی ہے؟ رموز مملکت خویش خسرواں دانند لیکن کلیا میں جو گڑ پھوڑا جارہا ہے اس پر اتنا تو کہا جاسکتا ہے کہ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ملک کے بہی خواہ اور سنجیدہ لوگوں کی عظیم اکثریت کو کالاباغ ڈیم کے بننے یا نہ بننے کی اتنی فکر نہیں جتنا قلق اس انتشار وافتراق کا ہے جو اس سوال پر پیدا ہوا۔ چار بھائیوں کا کنبہ اس بات پر کیوں متفق نہیں ہوپاتا کہ کون سی چیز ان کے گھر کے لئے مفید ہے اور کون سی مضر' اور کسی ایک کے کم و بیش نقصان سے اگر پورے گھر کا فائدہ ہوتا ہو تو وہ ایثار کی پیشکش میں سبقت لے جانے کا اعزاز کیوں حاصل نہیں کرنا چاہتا.... اور یہ سوالات اس صورت میں ان کے لئے زیادہ ہی پریشان کن بن جاتے ہیں جب انہیں بتایا جاتا ہے کہ چاروں بھائیوں کا مسلک بھی ایک ہے۔ چاروں صوبوں میں مسلم لیگ کی عمل داری ہے اور قیام پاکستان کا کارنامہ اپنے کھاتے میں ڈال کر یہ جماعت شب و روز دعویٰ کرتی ہے کہ اس کی صفوں کو اتحاد' یقین اور تنظیم نے بنیاد مرصوص بنا دیا ہے۔

ہفتہ رفتہ کی اہم خبریں

پاکستان نے طالبان کی حکومت کو تسلیم کر لیا

پاکستان کے وزیر خارجہ گوہر ایوب خان نے ایک ہنگامی پریس کانفرنس طلب کر کے اعلان کیا کہ حکومت پاکستان نے افغانستان میں طالبان کی حکومت کو تسلیم کر لیا ہے۔ حکومت پاکستان نے توقع ظاہر کی ہے کہ اقوام متحدہ او آئی سی اور دیگر عالمی تنظیمیں بھی اسلامی جمہوریہ افغانستان کی نئی حکومت کو تسلیم کر لیں گی۔ وزیر خارجہ نے کہا کہ 18 سالہ طویل جنگ نے افغانیوں کے مصائب کو انتہا تک پہنچا دیا تھا۔ پڑوسی ملک ہونے کے ناطے پاکستان بھی افغان تنازعہ سے براہ راست متاثر ہوا۔ انہوں نے عالمی برادری سے اپیل کی کہ ربانی حکومت ختم ہو چکی ہے لہذا نئی حکومت جو اپنا اقتدار مستحکم کر کے افغانستان میں امن و امان قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے اسے تسلیم کیا جائے۔ پاکستان نے طالبان کی قیادت کے اس بیان کو سراہا ہے جس میں انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ طالبان عدم مداخلت کی پالیسی پر سختی سے کاربند ہیں۔ وزیر خارجہ نے کہا کہ افغانستان میں نئی حکومت کو تسلیم کرنا وقت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ (بحوالہ نوائے وقت 26 مئی)

پاکستان میں بلاسود بینکاری سے مساوی تقسیم دولت کی راہ ہموار ہوگی۔ یورپ میں بھی بلاسود بینکاری کا تصور ابھر رہا ہے
ڈاکٹر رفیق احمد

پاکستان کے معروف ماہر معاشیات اور پنجاب یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر نے نوائے وقت میں اپنے ایک بیان میں بلاسود بینکاری کو پاکستان میں قابل عمل قرار دیا ہے اور یہ نوید سنائی ہے کہ اس طرح دولت کی مساوی تقسیم کی راہ ہموار ہو جائے گی اور اب تو یورپ میں بھی بلاسود بینکاری کا تصور ابھر رہا ہے۔

درحقیقت یہ ممکن ہی نہیں کہ جس شے کو اللہ رب العزت نے حرام قرار دیا ہو وہ کسی معاشرے کے لئے کسی بھی دور میں ناگزیر ہو جائے۔ بلاشبہ اگر کوئی برائی معاشرے میں رچ بس گئی ہو تو اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا آسان نہیں ہوتا لیکن نیت ہو تو عزم و ہمت سے کام لے کر اس ناسور کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ الحمد للہ ہمارے بہت سے ماہرین معاشیات کو سود کی تباہ کاریوں پر انشراح ہو رہا ہے۔ بلاشبہ یہ لعنت have اور have not کے درمیان خلیج کو وسیع کرتی ہے اور طبقاتی نفرت میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ (بحوالہ نوائے وقت 22 مئی)

تنظیم اسلامی کے ارکان نظام خلافت کے لئے جدوجہد تیز کر دیں
ڈاکٹر اسرار احمد کا پیغام

تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد نے قرآن آڈیٹوریم میں تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے رفقاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نظام خلافت کے قیام کے لئے وہ اپنی جدوجہد تیز کر دیں۔ تحریک خلافت کے حوالہ سے برصغیر کی سابقہ روایات یہ ہیں کہ عوام نے ایسے جوش اور جذبہ سے اس میں حصہ لیا کہ مہاتما گاندھی جیسی شخصیت کو بھی اس میں شریک ہونا پڑا۔

درحقیقت جب کسی تحریک کے کارکن مشنری جذبہ سے کام کریں اور اپنے ہدف کو حاصل کرنے کے لئے تن من دھن لگا دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ عوامی سطح پر حرکت پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوں بالخصوص جب وہ یہ کام فی سبیل اللہ کر رہے ہوں اور کوئی دنیوی منفعت پیش نظر نہ ہو۔ تحریکیں چلانے کے لئے کارکنوں کو بے خطر کودنا پڑتا ہے تحفظات کے ساتھ چلا جائے تو انقلاب نہیں آیا کرتے۔ (بحوالہ نوائے وقت 23 مئی)

تعلیم کو کچھ نہ ملا اقراء سرچارج کے 42 ارب دوسرے شعبے کھا گئے

روزنامہ جنگ کی یہ خبر کہ اقراء سرچارج سے جمع ہونے والے 42 ارب روپے میں سے تعلیمی سرگرمیوں پر کچھ خرچ نہیں کیا گیا انتہائی افسوس ناک ہے۔ اس وقت پاکستان میں خواندگی کی شرح دنیا کے دوسرے ممالک کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ جہالت کے اندھیروں کو صرف علم کی شمع روشن کرنے سے دور کیا جا سکتا ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ آئندہ اقرا سرچارج سے حاصل ہونے والی رقم کو صرف تعلیم عام کرنے اور اس کا معیار بہتر کرنے پر خرچ کرے۔

(بحوالہ روزنامہ جنگ)

آٹھ ہزار جرمن خواتین نے اسلام قبول کر لیا

اے این این نے خبر دی ہے کہ جرمنی کی ایک خاتون ریسرچ سکالر کے جائزے کے مطابق اس وقت جرمنی کی خواتین اسلام کی جانب تیزی سے راغب ہو رہی ہیں۔ گزشتہ چار سال میں آٹھ ہزار سے زائد خواتین اسلام قبول کرنے کا اعلان کر چکی ہیں۔ ان نومسلم خواتین نے باقاعدہ اپنی علیحدہ تنظیم جمیعت تعلیم القرآن کے نام سے قائم کر لی ہے۔ مذکورہ ریسرچ سکالر جو اس موضوع پر ایم اے کر رہی ہیں کا کہنا ہے کہ جرمنی میں اخلاقی انحطاط ' بڑھتی ہوئی عریانی اور اخلاقی اقدار کی پامالی نے ان نوجوان لڑکیوں کو اسلام کی آغوش میں پناہ لینے پر مجبور (بحوالہ ماہنامہ پاکستان)

بھارت ایٹمی معاہدوں پر دستخط کر دے
روس کی تجویز گجرال نے مسترد کر دی

روس نے کہا ہے کہ بھارت ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے معاہدے N.P.T اور ایٹمی دھماکوں پر مکمل پابندی کے معاہدے سی ٹی بی ٹی پر دستخط کر دے۔ روس خود اس پر دستخط کر چکا ہے۔ تاہم بھارت کے وزیر اعظم آئی کے گجرال نے کہا ہے کہ بھارت ان معاہدوں پر دستخط نہیں کرے گا۔ (بحوالہ پاکستان 21 مئی)

بھارت کی ایٹمی آبدوز تیاری کے آخری مراحل میں

بھارتی جریدہ پائنیر نے انکشاف کیا ہے کہ بھارت اپنی ایٹمی آبدوز کی تیاری کے آخری مراحل میں ہے۔ اور جنوبی ریاست تامل ناڈو میں کلپکام میں پروٹوٹائپ ٹیسٹنگ سنٹر میں اس کا تجربہ کرنے والا ہے۔ (بحوالہ نوائے وقت 22 مئی)

سانحہ ارتحال

تنظیم اسلامی کے بزرگ رفیق اور انجمن خدام القرآن سندھ ' کراچی کے جنرل سیکرٹری شیخ جمیل الرحمٰن کے بھتیجے کا ایک سڑک کے حادثے میں ۱۴ مئی صبح کو ۸ بجے قضائے الٰہی سے انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اور اللھم اغفرلہ وارحمہ۔ ان کی عمر تقریباً چھپن سال تھی۔ قارئین کرام سے مرحوم کے لئے مغفرت کی اور لواحقین کے لئے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

مرسلہ : عبدالرحمٰن ہنگورہ ' کراچی

تحریک آزادی ہند کی تاریخ تحریک خلافت کے بغیر نامکمل ہے

کیا خلافت مہم واقعی فتنہ ہے کہ اسے آغاز میں کچل دیا جانا چاہئے !

اسلامک موومنٹ آف انڈیا نے خلافت مہم کا آغاز کر دیا ہے

خلافت کی بحث' تنازعہ کا شکار کیوں؟

ہندوستان کے مخصوص حالات کے تناظر میں "افکار ملت" نئی دہلی کے مدیر خورشید عالم کی ایک فکر انگیز تحریر

وقت اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ فکرو اصول کس طرح تبدیل ہوتے ہیں' اس کا مظاہرہ ہمارے سماج میں ہوتا رہتا ہے۔ گزشتہ دنوں نومبر میں انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز کی دس سالہ تقریبات کے موقع پر نئی دہلی میں ایک خصوصی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مرکزی وزیر زراعت چترانن مترا نے کہا تھا "کیا عجب ستم ظریفی ہے کہ گاندھی جی قیادت میں ہندوستان میں باہر کی بنی ہوئی چیزوں کی ممانعت اور سودیشی تحریک کی بنیاد پر آزادی کی جنگ لڑی گئی تھی اور آج آزادی کے تقریباً پچاس سال بعد سرکاری طور پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے باہر کی بنی ہوئی اشیاء کی ہمت افزائی کی جارہی ہے"۔ اسی طرح کی دوسری مثال اس بات سے ملتی ہے کہ دستور ہند کے چار بنیادی اصولوں سوشلزم' سیکولرازم' ڈیموکریسی اور نیشنلزم میں سے سوشلزم کو حذف کرنے کا مطالبہ کسی اور نے نہیں بلکہ دستور ساز اسمبلی کے چند باحیات اراکین میں سے ایک مینو مسانی (Minoo Masani) نے کیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ سوویت یونین کے زوال اور سوشلزم و کمیونزم کے فلسفہ کی پسپائی و ناکام تجربے کے پیش نظر ہندوستان کو اس سلسلے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہئے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نیو مسانی کی طرح معروف طلبہ تنظیم اسٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا (ایس آئی ایم) کی بھی یہی سوچ ہے کہ بدلے ہوئے حالات میں ملک کو دستور کے بنیادی ستونوں کے بارے میں از سر نو سوچنا چاہئے۔ ایس آئی ایم کے موقف میں فرق صرف اتنا محسوس ہوتا ہے کہ وہ صرف سوشلزم ہی نہیں بلکہ بقیہ تینوں اصولوں کو مفید نہیں مانتی ہے۔ اس کا اندازہ گزشتہ سال ایس آئی ایم کے ذریعہ ملک بھر میں ۲۹ نومبر تا ۸ دسمبر ۹۶ء کے دوران منائی گئی دس روزہ مہم "نیشنلزم یا خلافت" کی تفصیلات کو دیکھ کر ہوتا ہے۔

صدر ایس آئی ایم عبدالبر اثری فلاحی کے مطابق عالمی سطح پر بدلتی ہوئی صورتحال' نیو ورلڈ آرڈر کے فلسفہ اور خود ہمارے ملک میں فکری و سیاسی تعطل کے پیش نظر مارچ ۱۹۹۶ء میں ایس آئی ایم کی شوریٰ نے ملک گیر سطح پر قوم پرستی یا خلافت؟ ملت بیداری مہم کے انعقاد کا فیصلہ سال کے اواخر میں کیا تھا تاکہ ملک بھر میں کسی نظریاتی بحث کا سلسلہ شروع ہو سکے۔

اس سلسلے میں عبدالبر اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "امت مسلمہ ایک نظریاتی اور آفاقی امت ہے جس کی شرعی و دینی ذمہ داری ہے کہ خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کرے' تاکہ دین اسلام مضبوط بنیادوں پر قائم ہو' امت مسلمہ خوف کی حالت سے نکل کر امن کی حالت میں آئے' شعائر اللہ کی حفاظت کا فریضہ انجام پاسکے اور ساری انسانیت کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لایا جاسکے' بدقسمتی سے زوال خلافت کے بعد صورت حال یہ ہے کہ قوم پرستی نے انسانوں کو نہ صرف رنگ' نسل' زبان اور جغرافیائی حدود میں تقسیم کرکے زمین سے امن وسکون غارت کردیا ہے بلکہ انسانیت کو تباہی کے دہانے پر پہنچادیا ہے"۔

واضح رہے کہ ایس آئی ایم نے اپنے پروگرام کے مطابق ملک گیر سطح پر دس روزہ مہم چلائی' اس مہم کا آغاز بمبئی کے ایک پروگرام سے ہوا۔ دوسرا بڑا پروگرام غالب اکیڈمی (نئی دہلی) میں ہوا لیکن ان دونوں پروگراموں کی رپورٹیں ٹھیک طرح سے اخبارات میں نہ آسکیں جس کے سبب یہ موضوع بحث نہ بن سکا۔ لیکن جب جنوری کے اوائل میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کینیڈی ہال میں منعقدہ "نیشنلزم یا خلافت" کے موضوع پر سیمینار کی تفصیلات پر مشتمل خبر اخبارات میں چھپی تب یہ ایک اشو بن گیا۔ روزنامہ پائنیر نے ایس آئی ایم کے حوالے سے اپنی خبر کی سرخی "نیشنلزم تمام برائی کی جڑ" لگائی' اردو کے ایک اخبار نے صدر ایس آئی ایم کے فقرے "نیشنلزم اور جمہوریت ایک دھوکہ ہے' کو اہمیت کے ساتھ شائع کیا۔ اس سلسلے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ میں مذکورہ مہم کو محض نظریاتی بحث کے طور پر لینے کے بجائے اسے تحریک کے طور پر لیا گیا۔ جس سے یہ تاثر ملنے لگا کہ ایس آئی ایم نے ۲۰ویں صدی کے اوائل میں چلائی گئی تحریک خلافت کے طرز پر ایک نئی تحریک خلافت شروع کی ہے۔ دہلی و علی گڑھ کے پروگراموں میں جموں و کشمیر کے کل جماعتی حریت کانفرنس کے رہنما سید علی شاہ گیلانی کی شرکت اور تقریر سے مذکورہ تاثر کو تقویت ملی اور بعض لوگوں کو پوری مہم ملک دشمنی و علیحدگی پسندی پر مبنی محسوس ہوئی۔

ان لوگوں نے اس سلسلے میں اظہار خیال کرتے ہوئے اس بات کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی کہ کوئی بات کہنے سے پہلے صاحب معاملہ یا متعلقہ تنظیم سے تفتیش کرلی جائے کہ اصل بات کیا ہے۔ حیرت

کی بات تو یہ ہے کہ سید شہاب الدین جیسی باشعور اور ذمہ دار شخصیت نے بھی یہی طرز اختیار کیا۔ انہوں نے اس سلسلے میں نہ تو کوئی تفتیش کی اور نہ ہی ایک ملی لیڈر کی حیثیت سے ناصحانہ انداز اختیار کیا اس کے برخلاف براہ راست حکومت ہند سے یہ مطالبہ کیا کہ "خلافت مہم کے اس فتنہ (Mischief) کو اس کے آغاز میں ہی کچل دیا جائے"۔ اخبارات میں چھپی ہوئی خبروں کی بنیاد پر اپنی رائے قائم کرتے ہوئے انہوں نے اسے ایک زہریلی اور خودکشی کے مترادف مہم کہا۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ اس تحریک کا مقصد مسلم نوجوانوں کو ڈیموکریسی اور سیکولرازم کی بنیاد پر مبنی نیشنلزم سے دور کرنا ہے اور اسلام وانڈین اسٹیٹ کے درمیان نہ ٹالنے والا تنازعہ پیدا کرنا اور ہندوتوا کی تحریک کو تقویت پہنچانا ہے۔ دلچسپ بات تو یہ تھی کہ سید شہاب الدین نے' جو ہندوستانی مسلمانوں کی کسی تحریک یا چیز میں کسی غیر ملکی ہاتھ کے الزام کی ہمیشہ تردید کرتے تھے' اس مسئلہ میں اپنے موقف سے ہٹ کر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ "ظاہر سی بات ہے کہ اس تحریک کی جڑیں غیر ملک میں موجود ہیں"۔

دلچسپ بات تو یہ ہوئی کہ ان کے بیان پر سب سے پہلا ردعمل انصاف پارٹی کے صدر ڈاکٹر بصیر احمد کا آیا۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ ایس آئی ایم کی خلافت کی تجویز سے اختلاف کرنا اور بات ہے لیکن حکومت سے اس کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کر کے سید شہاب الدین نے ملک میں غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے' جو افسوسناک ہے۔

قابل ذکر یہ ہے کہ سید شہاب الدین نے ایس آئی ایم کی خلافت مہم کو فتنہ کہا ہے اور حکومت سے اسے کچلنے کا مطالبہ کیا ہے۔ یہی موقف کم و بیش مولانا وحید الدین خان کا بھی ہے لیکن نئی دہلی سے شائع ہونے والے اردو ہفت روزہ نئی دنیا نے اپنی کور اسٹوریوں کی سرخی میں پورے مسئلہ کو شہاب الدین اور مولانا وحید الدین خان سے آگے بڑھ کر ایک نیا رنگ دیا ہے۔ اس کی سرخی کا عنوان ہے "خلافت یا جہالت؟" نئی دنیا کے پورے مضمون سے جو تاثر ملا وہ یہ کہ وہ خلافت ہی کو جہالت مان رہی ہے۔ اس طرح اس ہفت روزہ نے امت مسلمہ کی اس فکر کو چیلنج کر دیا جس پر کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا ہے۔

اس صدی کے اوائل میں چلائی گئی تحریک خلافت میں تمام مکاتب فکر کے علماء شریک تھے۔ دیو بندی فکر کے مفتی کفایت اللہ' مولانا احمد سعید' اہل حدیث طبقہ کے مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا عبدالحکیم گیاوی' مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا سید محمود غزنوی' بریلوی جماعت کے مولانا سید فاخر' دائرہ شاہ اجمل کے سجادہ نشین مولانا عبدالماجد بدایونی' معتدل طبقہ اور شمالی ہند کے قدیم مرکز اسلام سے تعلق رکھنے والے مولانا عبدالباری فرنگی محلی' مولانا سلامت اللہ فرنگی محلی' مولانا آزاد سبحانی' سید سلیمان ندوی اور مولانا ابو المحاسن محمد سجاد کے علاوہ ملک کے اکابر علماء نے سالہا سال کے اختلافات اور گروہ بندیوں کو نظرانداز کر کے شانہ بشانہ کام کیا۔ بانی جماعت اسلامی مولانا مودودی نے بھی اس تحریک میں پرجوش حصہ لیا اور الجمعیۃ اخبار میں اس پر مضامین لکھتے رہے۔

خلافت کو جہالت سے منسوب کرنے پر اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے ایس آئی ایم کے سکریٹری جنرل شاہد اسمٰعیل کہتے ہیں کہ "کتنے افسوس کی بات ہے کل بقول علامہ اقبال ع

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے'

اور آج ہم میں سے کچھ لوگ اس مقام پر آگئے کہ وہ خلافت ہی کو جہالت کہہ رہے ہیں اور ہمیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ ہمارا تعلق ایک نظریاتی و آفاقی امت سے ہے جس کی شرعی و دینی ذمہ داری ہے کہ وہ خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کرے"۔

اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ "ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک طرف زمین میں اللہ کے احکامات کا نفاذ اور اس کے صلہ میں اللہ کی جانب سے بڑے انعام کی پیشکش بطور انعام خلیفہ کے منصب کرنے کا مرتبہ ختم ہو گیا اور دوسری جانب خلیفہ یا خلافت کے تقدس و احترام کا جذبہ بھی باقی نہ رہا اور اس کے ساتھ ساتھ مغرب کے پروپیگنڈہ کا شکار ہوئی نئی نسل اس لفظ کے اصل مفہوم سے ناآشنا ہو گئی اور آج یہ لفظ ان کے لئے استعمال ہوتا ہے جو خانہ بدوش گاؤں گاؤں گھوم کر کشتی کرتے ہیں یا پھر باربر یا نائی کے پیشہ سے تعلق رکھتے ہیں"۔

خلافت اور نیشنلزم کے خاتمہ پر گفتگو کرتے ہوئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طالب علم شاہد بدر فلاحی کہتے ہیں کہ ماہنامہ اسلامک موومنٹ دہلی کے خصوصی شمارہ قوم پرستی یا خلافت؟ ملت بیداری مہم' کے مطابق سلطان عبدالحمید خلافت عثمانیہ کے آخری سلطان اور رہی سہی خلافت کے آخری خلیفہ تھے جس کے سبب خلافت کے اس انتہائی کمزور وجود کے باوجود امت کا شیرازہ منتشر نہیں ہوا تھا۔ اس کمزور حالت میں ہونے کے بعد بھی ارض فلسطین یہودیوں کے ناپاک قدموں سے پاک تھی۔ ۱۹ویں صدی کے اخیر میں ترکوں کی جدید تعلیم یافتہ نسل جن کو مغربی تصورات نے متاثر کیا ان میں وطن پرستی اور قومیت کا سیاسی تصور بھی موجود تھا۔ شروع میں یہ تصور حب الوطنی تک رہا لیکن بعد میں اس تصور نے ترکوں میں نسلی اور قومی برتری کا احساس پیدا کر دیا نتیجہ میں کبھی اتحاد توران' کبھی عثمانی قومیت' کبھی ترک قومیت کے نعرے بلند ہونے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ عظیم اول کے دوران عرب انگریز سازش کا شکار ہو گئے اور عرب قومیت کا نعرہ بلند کرنے لگے۔ عرب قومیت اور ترک قومیت کا باہم ٹکراؤ بھی ہوا' فتح عرب قومیت کی ہوئی' سلطنت عثمانیہ پارہ پارہ ہو گئی۔ ۳/ مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت ختم کر دی گئی۔ اسلام کا شیرازہ بکھر گیا۔ عثمانی دور کے صرف ایک صوبے شام کے ۵ ٹکڑے کر دیئے گئے جیسے شام' لبنان' اردن' اسرائیل اور سیتق الفاکیہ۔ اس سانحہ سے متاثر ہو کر شاعر مشرق علامہ اقبال نے کہا تھا ع

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

ایس آئی ایم کے ذریعہ شروع کی گئی نیشنلزم یا خلافت پر نظریاتی بحث سے ہٹ کر جب ایک شخص تاریخ کے اوراق گردانتا ہے تو اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے احیاء کے سلسلے میں سب سے بڑی تحریک اس صدی کے اوائل میں خود ہمارے ملک ہندوستان میں برپا ہوئی تھی۔ اس تحریک کے قائد تو علی برادران تھے اور اس میں بلا تفریق مذہب وملک پوری ملت اسلامیہ ہند ہی شریک نہیں تھی بلکہ دیگر برادران وطن بھی شامل تھے۔ اس تاریخی حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ باپائے قوم مہاتما گاندھی کا تحریک خلافت سے عملی تعلق رہا ہے تبھی تو وہ بار بار یہ کہا کرتے تھے کہ جب ہندوستان آزاد ہو گا تو میں خلافت اور وہ بھی عمری خلافت قائم کروں گا۔

واضح رہے کہ خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس ۱۹۱۹ء کے اواخر میں امرتسر میں ہوا تھا جس میں ہندو و مسلمان یکساں جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ ۱۹۲۱ء میں کراچی میں ہونے والی خلافت کانفرنس کے اجلاس میں بھی یہی منظر دیکھا گیا۔ اسی سال دہلی میں ۱۷/ اکتوبر کو "یوم خلافت" منایا گیا۔

(باقی صفحہ ۲۵ پر)

اگر قائداعظم سیکولرازم کے حامی ہوتے تو تحریک پاکستان کے دوران اسلامی نعروں کو ہرگز برداشت نہ کرتے

ہمارے معاشرے میں مسلمہ حقائق کے خلاف بات کرنا دانشوری کی علامت سمجھا جاتا ہے!

کیا دو قومی نظریہ غلط تھا؟

ڈاکٹر اقبال احمد خان کے متنازعہ بیان پر جناب محمد سمیع کا تبصرہ

عرصے سے میں کوشش کر رہا تھا کہ کسی دانشور کی پہچان کیونکر ہو۔ ظاہر ہے کسی کی پیشانی پر تو یہ لکھا ہوا نہیں ہوتا کہ مسمی ایک دانشور ہے۔ لیکن اب دانشور کی کچھ کچھ پہچان حاصل ہو رہی ہے۔ مثلاً یہ ایک معروف بات ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا۔ یہ بات معروف یوں ہے کہ عوام ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ جناب یہ بات درست نہیں۔ پاکستان اسلام کے لئے نہیں بنا تھا بلکہ اسلام دنیا میں اس لئے آیا تھا کہ یہ پاکستان کی پہچان بنے تو میں دانشوروں میں شمار کیا جاؤں گا۔ کیونکہ یہ بات عام روش سے ہٹ کر ہوئی۔

روزنامہ "جنگ" کی خبر یہ ہے کہ ممتاز سکالر اور دانشور ڈاکٹر اقبال احمد نے کہا ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر نہیں بلکہ دو قومی نظریئے کی بنیاد پر بنا ہے' جو کہ غلط تھا۔ مجھ جیسے بے خبر کے علم میں پہلا اضافہ تو یہ ہوا ہے کہ کوئی ڈاکٹر اقبال احمد ہیں جو ممتاز اسکالر اور دانشور ہیں۔ یقیناً ہوں گے' ورنہ یہ بات چھپتی کیوں۔ دوسرا اضافہ جو میرے علم میں ہوا ہے وہ یہ کہ دو قومی نظریہ تھا لیکن اب نہیں ہے۔ گویا کہ یہ وہی بات ہے کہ ع ہر چند کہیں کہ ہے' نہیں ہے۔ جس طرح موصوف کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دو قومی نظریہ کو غلط قرار دیں' ویسے راقم کو بھی یہ کہنے کا حق ہے کہ موصوف کی دونوں باتیں غلط ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر نہیں بنا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا جبھی حکمرانوں نے صرف اس کا نام ہی استعمال کیا۔ کاش کہ یہ ملک اسلام کی خاطر بنا ہوتا تو شاید یہاں اسلام کے لئے کام ہوتا۔ اسلام کے لئے کام ہوتا تو اس کا نظام عدل اجتماعی قائم ہوتا جس کی موجودگی میں کوئی فرد یا کوئی ادارہ دوسرے فرد یا ادارے کی حق تلفی نہ کرتا۔ نتیجتاً نہ بنگلہ دیش بنتا اور نہ ہر آن وطن کی سالمیت خطرے میں پڑنے کا شور سنائی دیتا۔

موصوف کی دوسری بات کو بھی میں درست تسلیم نہیں کرتا کہ دو قومی نظریہ غلط تھا۔ بنگلہ دیش کا بحیثیت ایک آزاد ملک قائم رہنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ دو قومی نظریہ غلط نہیں تھا۔ اگر یہ نظریہ غلط ہوتا تو بنگلہ دیش ہندوستان میں ضم ہو چکا ہوتا اور اپنے قومی تشخص کو کھو چکا ہوتا یا کم از کم مغربی بنگال کے ساتھ مل کر عظیم تر بنگال بن چکا ہوتا جس کا ماضی میں بڑا پروپیگنڈا کیا گیا۔ اگر ہم بنگلہ دیش کے قیام کو دو قومی نظریئے کے غلط ہونے کی بنیاد بناتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اندرا گاندھی کے اس دعوے کو درست تسلیم کرتے ہیں جو اس نے بنگلہ دیش کے قیام کے موقع پر کیا تھا کہ آج ہم نے دو قومی نظریئے کو خلیج بنگال میں غرق کر دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ پاکستان کو کبھی ایک نظریاتی مملکت کی حیثیت دی ہی نہیں گئی۔ اول دن سے ہی یہاں مخلوط قومیت کی بنیاد پر کام ہوا جبکہ مخلوط قومیت کی نفی لازمی تھی۔ نتیجتاً دستور ساز اسمبلی میں ان قوموں کو بھی آنے کی اجازت دے دی گئی جن کا نظریہ اسلام پر ایمان ہی نہیں تھا۔ پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ ایک قادیانی اور پہلا وزیر قانون ایک ہندو کو بنایا گیا۔ ذرا تصور کیجئے کہ اگر پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی نہ ہوتی اور اسمبلی میں صورتحال کچھ یوں ہوتی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی قرارداد پر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ووٹ مساوی ہوتے اور ایک کاسٹنگ ووٹ کسی قادیانی یا ان کے کسی حمایتی کا ہوتا تو کیا اس ایک ووٹ کی بنیاد پر ہونے والے فیصلے کو پاکستانی عوام قبول کر لیتے یا فرض کیجئے کہ وہ مجبوراً قبول کرتے بھی تو کیا اس سے اس حقیقت میں کوئی تبدیلی آجاتی کہ قادیانی مسلمان نہیں ہیں۔ چلیں اسلام کو تو ایک طرف رکھیں کہ اس سے ہمارے دانشور طبقے کو بڑی الرجی ہے ع کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں اگر عاشقان جمہوریت' جمہوری نظام کو اس کی اصل روح کے مطابق لاتے تو کیا پھر بھی دو قومی نظریہ غلط ثابت ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا ممکن نہ ہوتا لیکن یہ عشاق جمہوریت گزشتہ نصف صدی سے "بی جمہوریت" کے ساتھ فلرٹ کرتے آرہے ہیں اور تمام تر خرابیوں کے باوجود اپنی روش میں تبدیلی پر آمادہ نہیں۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ ہمارے ہاں تسلیم شدہ حقائق کی نفی کرنے پر اتنا اصرار کیوں ہے؟ چلئے تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ مان لیتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر نہیں بنا تھا بلکہ ہندوؤں کے معاشی اور سیاسی غلبہ کے خوف نے انہیں پاکستان کے قیام کی جدوجہد پر مجبور کیا تھا تو کیا یہ بھی ایک حقیقت نہیں کہ اگر اسلام کے نام کا سہارا نہ لیا جاتا تو پاکستان کبھی وجود میں نہ آسکتا تھا۔ اسی نعرے نے تو تحریک پاکستان کو قوت ماسکہ Binding Force فراہم کی۔ اگر قائداعظم سیاست میں اسلام کے نام کے استعمال خلاف تھے تو انہوں نے مسلم لیگ کے لئے ان نعروں کو کیوں برداشت کیا کہ "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ" اور "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ"۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے ڈاکٹر اقبال احمد کی اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قائداعظم نے منافقت سے کام لیا۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ قائداعظم ہرگز ایک منافق شخص نہ تھے۔ اس حوالے سے صرف ایک واقعہ یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں جس کے راوی مشہور شاعر کیفی تھے' جن کا یہ دعویٰ ہے کہ انہیں کئی بار قائداعظم کے ہمراہ سفر کے موقع حاصل ہوئے۔ ایک بار قائداعظم کے مزار کے احاطے میں انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ تحریک پاکستان کے دوران ایک موقع ایسا بھی آیا جب لوگوں نے محسوس کیا کہ قائداعظم کو' جو ہمیشہ انگریزی لباس

(باقی صفحہ ۲۵ پر)

امام شامل نے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت مانگی تو پولش کرنل نے کہا : "یہ باہر جا کر گڑ بڑ کریں گے"

رینو سکی نے امام صاحب کے متعلق کہا تھا : عقاب پہاڑوں میں رہتے ہیں اور وادیوں میں انتقال کر جاتے ہیں

سلطان عبدالعزیز کو ڈر ہوا کہ امام شامل کی ہر دلعزیزی کہیں سلطنت عثمانیہ کا تختہ نہ الٹ دے

امام شامل (۴)

لیسلے برانچ (Leslay Branch) کی کتاب "The Sabres of Paradise" کا ایک باب

ترتیب و ترجمہ : اظہار احمد قریشی

جلاوطنی کے سال گزرتے گئے اور یہ اجنبی گھرانہ کلوگہ کی روزمرہ کی زندگی کا حصہ بن گیا۔ رینو سکی صاحب اس پر بڑے حیران تھے کہ امام صاحب اپنی اس زندگی پر کاملاً قانع تھے اور ان کے رویہ میں تلخیاں یا پشیمانیاں نہیں تھیں۔ غالباً امام صاحب نے جن جذبات کے تحت ہتھیار ڈالنا قبول کیا تھا' وہ انہیں اپنے گناہوں کی معافی اور اللہ کی رضا کا ذریعہ سمجھتے تھے بالکل ویسے ہی جیسے ان کی جنگیں بھی اللہ ہی کے لئے تھیں۔ یہ بھی ان کی قسمت کا لکھا تھا جس کے سامنے انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ اسی طرح کلوگہ کی خراب آب و ہوا سے بھی وہ راضی تھے۔ کبھی کوئی خراب پکا ہوا کھانا ان کے سامنے آتا تو وہ اسے بھی ناپسند نہ کرتے۔

جب ایک موقع پر ایسا کھانا آیا جو کھانے کے بالکل قابل نہیں تھا تو رینو سکی نے باورچی کو بلایا اور شکایت کی تو امام صاحب نے کہا کہ شکوہ کرنا گناہ ہے۔ اس پر رینو سکی صاحب نے کہا کہ ایسا برا کھانا پکانا بھی تو گناہ ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ ہاں گناہ ہے لیکن اس کے لئے اللہ اسے سزا دے گا۔ اللہ کی کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ انسان کو کسی بھی چیز پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ میری ضروریات بہت محدود ہیں اور جب بھی ضروری ہو میں اپنی عادتوں کو بھی ترک کر دیتا ہوں۔ بعض اوقات ساری عمر کی عادتوں کو بھی ترک کر دیتا ہوں۔

ایک مرتبہ ذکر آیا کہ امام صاحب نے نہایت درجہ سختی کے ساتھ تدوزی قبائل کو دبایا تھا۔ یہ قبائل سارے علاقے کی بدنامی کا سبب تھے' بالکل بے اصولے' ظالم اور بے ایمان تھے۔ امام صاحب نے کہا کہ تم روسیوں کو تو میرا شکر گزار ہونا چاہئے کہ میں نے ان کو کچھ سیدھا کیا۔ میں نے ان لٹیروں اور قاتلوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا میں اپنے اللہ کے سامنے اس کے لئے شرمسار نہیں ہوں۔

ایک دفعہ امام صاحب کے سامنے ذکر کیا گیا کہ وہ روسی قیدیوں کو بڑے خراب حالات میں رکھتے تھے تو امام صاحب نے چاروں طرف اپنے آرام دہ مکان پر نظر ڈالی اور کہا کہ مجھے اس سے بہتر حالات کا علم ہی نہیں تھا۔ امام صاحب کو یہ بھی بتلایا گیا کہ انہوں نے ان 22 قیدیوں کو قتل کرا دیا تھا جنہوں نے قید سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ اس پر امام صاحب نے کہا کہ ہم نے انہیں نہیں مارا۔ آپ کے اس جرنیل نے انہیں مارا جس نے انہیں بھگا لے جانے کی سکیم بنائی تھی۔ جنگ کے دوران قیدیوں کو بھاگنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

امام صاحب ذکر اور فکر میں مستغرق' بڑے مطمئن معلوم ہو۔ نے تھے۔ وہ نہ کسی سازش میں مشغول تھے اور نہ ہی کوئی شکوہ کرتے تھے۔ تخت سے اترے ہوئے دوسرے حکمرانوں کے لئے یہ بہت ہی عمدہ مثال ہے۔ امام صاحب عجز و انکسار کا پیکر تھے اور اپنے خطوط پر اس طرح دستخط کیا کرتے تھے۔ "اللہ کا غلام 'شامل"

امام صاحب کے گروپ کے نوجوان مرد سڑکوں پر گھوما کرتے تھے اور جن پارٹیوں میں شرکت کر سکتے تھے' کرتے تھے۔ امام صاحب کے بڑے بیٹے خاضی محمد جو کہ تنہائی پسند تھے' وہ بھی کچھ کچھ ان نوجوانوں کے ساتھ شامل ہو گئے اگرچہ وہ بس کچھ ٹوٹی پھوٹی سی ہی روسی زبان سیکھ سکے۔ ان سب کی خواہش اب یہ تھی کہ یہ جنوب کی جانب جائیں اگرچہ ان کے لئے یہ ضروری تھا کہ یہ اپنی خواہشات حضرت امام صاحب کے علم میں نہ آنے دیں۔ امام صاحب کی پرجوش جنگی زندگی اور کامیابیوں کا دور ختم ہو چکا تھا اور وہ اندازہ نہیں کر سکتے تھے کہ جلاوطنی اور سرد علاقے کی رہائش کی وجہ سے نوجوانوں میں کس قدر تلخی پیدا ہو رہی تھی۔ امام صاحب خود تو اب اگلی دنیا کے خیالات میں رہتے تھے جو کہ ایک غیر محدود دنیا تھی۔ لیکن ان کے بیٹے اور ان کے نائب اس یکسانیت والی اور بے کاری موجودہ زندگی سے تنگ آ رہے تھے۔ اپنی پہلی نہایت تیز رفتار زندگی کے بعد اب وہ بے کار تھے۔ پہلے وہ پوری رفتار سے گھوڑے دوڑایا کرتے تھے جب کہ اب وہ گھوڑا گاڑی میں چلتے تھے۔ پہلے وہ بندوقوں اور تلواروں سے پوری زندگی جنگیں لڑتے رہے تھے اور اب کبھی کبھار موسم کے دوران ہلکا پھلکا شکار کھیل لیتے تھے۔

روسی تہذیب بھی جو اتنی پرکشش محسوس ہوتی تھی اصل میں ایک قید خانہ تھی۔ امام صاحب کے ذکر اور فکر بھی ان نوجوانوں کے لئے کشش نہیں رکھتے تھے۔ وہ بس ایک خلا میں زندگی گزار رہے تھے۔ ان کے لئے

سب سے زیادہ اہمیت امام صاحب کی مکمل اطاعت اور عزت تھی۔ رمضان کے آتے ہی یہ سب اپنی تمام تفریحات کو ترک کر دیتے تھے اور قرآن پر وقت لگاتے تھے اور دن رات عبادت اور روزہ میں مصروف رہتے تھے اور امام صاحب کی امامت میں نمازیں پڑھتے تھے۔ امام صاحب کی خاطر وہ سب جنگ میں مرنے کو تیار تھے اور امام صاحب کی قید میں ان کا ساتھ دیتے ہوئے وہ زندہ درگور ہی تھے۔

امام صاحب کی تعیشات سے نفرت

امام صاحب تعیشات کے سختی سے مخالف تھے۔ جب زار روس نے ان کو ٹھوس سونے کا بنا ہوا ایک چائے کا سیٹ تحفہ کے طور پر بھیجا تو امام صاحب نے لینے سے انکار کر دیا۔ لیکن ان کے چھوٹے بیٹے محمد شفیع کو یہ بہت پسند آیا اور انہوں نے اپنے استعمال کے لئے اسے اپنے کمرے میں چھپا لیا۔ بڑے بیٹے غازی محمد ہر معاملے میں اپنے باپ کا ساتھ دیتے تھے۔ انہیں اپنے چھوٹے بھائی کی والد کی نافرمانی پر بہت دکھ ہوا۔ اپنے ضمیر کی کشمکش کے بعد غازی محمد نے امام صاحب کو بتلا دیا۔ امام صاحب نے محمد شفیع کو حکم دیا کہ وہ چائے کا سیٹ لائے اور سخت غصہ کی حالت میں اپنے پیروں تلے اس کے ٹکڑے کر دیئے۔ ایک مرتبہ امام صاحب کی عورتوں نے ان سے ڈرتے ڈرتے کچھ ساٹن خریدی اور وہ عید کے لئے نئے لباس تیار کر رہی تھیں کہ امام صاحب کو علم ہو گیا۔ انہوں نے ان لباسوں کو اپنی تلوار سے کاٹ ڈالا اور فرمایا کہ میرے ہاں کی کوئی عورت اس وقت تک ساٹن نہیں پہنے گی جب تک ہمارے علاقے کی ہر عورت کو یہ میسر نہ ہو جائے۔

بعض اوقات امام صاحب اپنے ذکر و فکر سے نکل کر روسی ماحول میں آجاتے تھے۔ ان کے ہاں متعدد صاحب حیثیت لوگ آجایا کرتے تھے۔ امام صاحب ان سے گفتگو اپنے مخاطب کی دلچسپیوں کے مطابق کرتے تھے۔ امام صاحب چرچ کا دورہ بھی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن پادری ان کے ننگے سر آنے پر بضد تھا اور امام صاحب اپنی پگڑی اتارنے پر رضامند نہ تھے۔ چنانچہ کام نہ بن سکا۔

امام صاحب اور زار روس

بعض اوقات امام صاحب ماسکو یا سینٹ پیٹرزبرگ میں سرکاری تقریبات میں مدعو ہوتے تھے۔ زار کو اپنے اس نامور قیدی سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کا ہر وقت احساس رہتا تھا۔ وہ امام صاحب کو ایک معزز مہمان کا مقام دیتا تھا اور ان کی پوری پوری دیکھ بھال کرتا تھا اور اسے یہ احساس تھا کہ میں امام صاحب کی آزادی کا بدل کسی طور بھی نہیں دے سکتا۔ جب زار کو معلوم ہوا کہ امام صاحب سامان تعیش مثلاً سونے کا چائے کا سیٹ قبول نہیں کرتے تو اس نے بہترین ہاتھ سے کاڑھے ہوئے پردے اور چادریں کلوگہ کے گھر کے لئے منگوائیں۔ ہر کپڑے پر امام صاحب کے دستخط کاڑھے گئے تھے۔

ایک مرتبہ امام صاحب عجائب گھر میں سلیمان اعظم کی تلوار کو بہت دلچسپی سے دیکھ رہے تھے کہ زار نے یہ تلوار دیوار پر سے اتاری اور اپنے اس عجیب و غریب اور شاندار دوست کو پیش کر دی اور عجائب گھر کے افسر کے احتجاج کو رد کر دیا۔ امام صاحب نے اس تحفہ کو بخوشی قبول کر لیا اگرچہ یہ اس تلوار کا بدل تو ہرگز نہ ہو سکتی تھی جو امام صاحب نے ہتھیار ڈالتے وقت شہزادہ بیریاٹنسکی کو پیش کی تھی۔

1866ء میں زار کے بیٹے کی ڈنمارک کی شہزادی سے شادی کے موقع پر امام صاحب کی شخصیت کی عظمت بہت محسوس کی گئی۔ امام صاحب کی شخصیت سے زار ہمیشہ ہی متاثر رہا۔ اسی شادی کے موقع پر امام صاحب نے اپنی مشہور تقریر کی جس کے خاتمہ پر انہوں نے کہا:۔

"ہر شخص کو معلوم ہونا چاہئے کہ بوڑھے شامل کو اپنے آخر وقت تک افسوس رہے گا کہ اسے ایک اور زندگی نہیں مل سکتی جس کو وہ زار روس کی خدمت کے لئے وقف کر سکے"

کیا یہ ایک بناوٹی بات تھی یا یہ بات کہنے کا محض ایک مشرقی انداز تھا؟ اگر ان کو دوبارہ زندگی مل جاتی تو کیا وہ روس کی ماتحتی قبول کر لیتے؟ یہ تقریباً ناممکن تھا اور ان کے کردار کے برعکس ہوتا۔ وہ تو اپنے علاقے کی آزادی کی خاطر تیس سال تک جنگ کرتے رہے تھے۔ امام صاحب کے ان الفاظ سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ زار کے انتہائی فراخدلانہ سلوک پر اپنے دلی تشکر کا اظہار کرنا چاہتے تھے اور شاید وہ یہ بھی کہنا چاہتے تھے کہ اب کوئی تلخی باقی نہیں ہے اور انہوں نے ایسے الفاظ استعمال کئے کہ جو مغربی لوگ خوب سمجھ سکتے تھے کہ غیر مسلموں کے بارے میں ان کے گزشتہ احساسات کچھ بھی رہے ہوں لیکن اب ان کی ذاتی پسند زار اور بیریاٹنسکی کے لئے پختہ ہو چکی ہے۔

شہزادہ بیریاٹنسکی اکثر امام صاحب اور ان کے بیٹوں کو دعوت دیتے تھے کہ وہ ماسکو میں یا شہزادہ کی جاگیر جو کہ آئی وان سکی میں تھی، میں ملاقات کریں۔ امام صاحب اور ان کے بیٹے ان کی دعوت کو بخوشی منظور کیا کرتے تھے۔ اور وہ فخریہ اس کو "ہمارا شہزادہ" کہتے تھے۔ امام صاحب نے اسی شہزادہ کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے اور یہ شہزادہ ہی امام صاحب کی تلوار کا اہل ثابت ہوا تھا۔ امام صاحب کو آغاز میں شہزادہ بیریاٹنسکی کے چارج میں رکھا گیا تھا۔ لیکن جب تک شہزادہ چیچنیا کے علاقے میں رہا اس دوران امام صاحب سے اس کی ملاقات اس کے ماسکو یا سینٹ پیٹرزبرگ کے دورہ کے موقع پر ہی ہوتی تھی۔ چیچنیا کے علاقے سے جانے کے بعد شہزادہ زیادہ تر وقت اپنی جاگیر آئی وان سکی میں بسر کرتا تھا۔ کلوگہ اس جگہ سے صرف چند دنوں کی مسافت پر تھا۔ اس جگہ چند کمرے امام صاحب کے قیام کے لئے ہمیشہ تیار رکھے جاتے تھے۔ یہ کمرے بہت عمدہ سجائے ہوئے تھے۔ امام صاحب کے کمرے کی کھڑکیوں میں سے ایک نہایت وسیع پارک اور ایک جھیل نظر آتے تھے۔ اس جگہ چیچنیا کے علاقے کی دو عظیم شخصیتیں یعنی امام شامل اور بیریاٹنسکی گھنٹوں ٹہلا کرتی تھیں اور گزشتہ بہادرانہ لڑائیوں کے حالات اور جنگی چالوں پر گفتگو کیا کرتی تھیں اور دونوں ایک دوسرے کی عزت و تکریم کرتی تھیں۔

محمد شفیع نے تیمر خان شوریٰ میں اپنے دوستوں کو روسی زندگی کے عجائبات کے بارے میں بڑے مبالغہ آمیز انداز میں لکھا کہ انہوں نے ماسکو میں بہت اچھی اچھی چیزیں دیکھیں اور سائنس کے علم کے بغیر ان کا بیان نہیں ہو سکتا۔

غازی محمد ان دوروں کے دوران دلچسپی کم لیتے تھے۔ وہ اپنے والد کی طرح قسمت پر شاکر نہیں تھے اور ان میں عجز و انکسار بھی نہیں تھا۔ وہ جنگ میں شکست کو ایک تکلیف دہ ذاتی ناکامی سمجھتے تھے۔ اور ان کے ذہن میں بدلہ لینے کی دھن سوار تھی۔

امام صاحب کے خاندان میں اموات

کلوگہ کی سرد اور نمی والی آب و ہوا کی وجہ سے امام صاحب کے خاندان کے متعدد کمزور افراد وفات پا گئے۔ ان میں سے دو یعنی ایک غازی محمد کی بیگم اور ایک امام صاحب کی پیاری بیٹی نفیسہ کی لاشیں چیچنیا کے علاقے میں غمری کے مقام پر دفن کرنے کے لئے بھیجی گئیں۔ وہاں مقامی لوگ روئے کہ ہمیں یہ خیال نہیں تھا کہ امام شامل کے خاندان کے لوگ ہمیں اس طرح واپس ملیں گے۔ امام صاحب کی بیٹی نجاوت جو معذور تھی، روسی ڈاکٹروں کے کامیاب آپریشن سے معجزانہ طور پر تندرست ہو گئی۔

حضرت کے استاد کی شفقت

حضرت امام شامل ؒ کے استاد جناب ملا جمال الدین کو یہ خبر ملی تھی کہ امام صاحب کو خراب حالات میں رکھا گیا

ہے اور ایذائیں بھی دی جاتی ہیں۔ یہ محبت کرنے والے بزرگ چیچنیا کے علاقے سے ایک مہینہ لمبا دور دراز کا سفر کر کے کلوگہ پہنچے تا کہ امام صاحب کے دکھ درد میں شریک ہوں۔ یہاں انہوں نے امام صاحب کی قید کی اچھی نوعیت دیکھی اور مطمئن ہو کر واپس چلے گئے اور جو کچھ دیکھا تھا اس پر بڑے حیران بھی ہوئے۔

حضرت کو تکلیف اور پریشانی

جب تک ریتوسکی صاحب ان کے انچارج تھے تو امام صاحب اور ان کے لوگ ہر قسم کی بے عزتی اور غلط فہمی سے بچے رہے۔ لیکن 1862ء میں بڑی تکلیف دہ علیحدگی عمل میں آئی۔ ریتوسکی صاحب جن سے یہ سب لوگ بہت مانوس ہو چکے تھے ان کی جگہ ایک پولش کرنل نے لے لی۔ ان صاحب کی موجودگی نے ساری فضا خراب کر دی۔ یہ پولینڈ کے رہنے والے تھے۔ سازشی، ظالم اور بدنیت تھے۔ یہ صاحب کس طرح یہاں تعینات ہوئے یہ واضح نہیں ہو سکا۔ غالباً یہ شاہی دربار میں امام صاحب کے مخالفین کی کارروائی تھی جو زار کی امام صاحب پر مہربانیوں پر حسد کرتے تھے یا شاید امام صاحب کے ان روسی دشمنوں کی کارروائی ہو جن کو امام صاحب کے خلاف جنگوں میں سخت نقصان پہنچا تھا۔ لیکن یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے کہ زار اتنے لمبے عرصہ تک امام صاحب کی اذیتوں سے بے خبر رہا۔

یہ پولش کرنل ہر ممکن طریقے سے حضرت کے دماغی سکون کو تباہ کرنے کے در پے رہا۔ اس نے حضرت سے غلاموں جیسا سلوک کیا۔ طعنے دیتا رہا، پابندیاں لگائیں، گھر کے نظام میں دخل اندازی کی۔ امام صاحب کے خاندان کی جاسوسی کی۔ عورتوں کے ساتھ بدسلوکی کی۔ ملازمین پر رعب جمایا۔ بالآخر اپنے جھوٹے الزامات کا زہر اتنا پھیلایا کہ کلوگہ کے بعض شہری جو امام صاحب سے نہایت دوستانہ تعلقات رکھتے تھے، اب ان سے کترانے لگے۔

پولش کرنل کی پہلی قطعی واضح دشمنانہ کارروائی یہ تھی کہ اس نے ایک تحریر تیار کی جس میں چیچنیا کے علاقے کے تین عظیم اماموں، غازی ملا، حمزاد بیگ اور شامل کے حالات اور تحریک مریدیت کے اغراض و مقاصد اور طریق کار درج تھے۔ کچھ ترجمہ تھا اور بہت زیادہ جھوٹ تھا۔ پولش کرنل چاہتا تھا کہ امام صاحب اس کی تصدیق کریں اور دستخط کریں۔ امام صاحب کے نزدیک یہ تحریر غلط بھی تھی اور بدنیتی پر مبنی بھی۔ چنانچہ امام صاحب نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد سے پولش کرنل ایک ذاتی دشمن بن گیا اور ان بے چارے جلاوطنوں پر غصہ نکالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا جن کا وہاں کوئی یار و مددگار نہیں تھا۔

پولش کرنل نے وزارت دفاع کو بار بار لکھا کہ امام صاحب کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے امام صاحب اس سے مطمئن نہیں ہیں اور مسلسل شکایت کرتے رہتے ہیں کہ ان کا الاؤنس ناکافی ہے۔ اس نے امام صاحب پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ ملازموں کو بہت کم تنخواہ دیتے ہیں، اور پیسہ جمع کر رہے ہیں۔ یہ بیان مطلقاً بکواس تھا اور امام صاحب کے پیسہ سے متعلق رجحانات کے برعکس تھا۔ امام صاحب تو پیسہ کو ہرگز کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔

امام صاحب نے ان اذیتوں کو دو سال تک برداشت کیا اور شکایت نہیں کی اور شہزادہ بیریاٹنسکی تک سے بھی بات نہیں کی۔ لیکن بالآخر معاملہ ان کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ انہوں نے کلوگہ کے گورنر سے درخواست کی کہ پولش کرنل کی جگہ کوئی اور آدمی لگایا جائے۔ ایک نیا آدمی آ بھی گیا لیکن پولش کرنل نے ایسی عجیب و غریب چال چلی کہ وہ امام صاحب کا ایک جعلی خط لے کر واپس سینٹ پیٹرزبرگ واپس چلا گیا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ پولش کرنل کو ہی کلوگہ میں رہنے دیا جائے۔ مزید دو سال تک اس پولش کرنل کا سایہ امام صاحب کے گھر پر منڈلاتا رہا۔

پولینڈ کے رہنے والوں کی عادت ہے کہ ہر چیز کو سیاسی رنگ دے دیتے ہیں۔ 1863ء کی پولینڈ کی بغاوت روس نے دبا دی تھی۔ اس کے بعد پولش کرنل امام صاحب سے اکثر کہا کرتا تھا کہ باغی سخت تکلیف میں ہیں اور امام صاحب کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا اور بڑی تفصیل سے بتایا کرتا تھا کہ روسیوں نے باغیوں پر کیا مظالم ڈھائے تھے۔ امام صاحب کے زار سے جتنے اچھے تعلقات تھے ان کے ہوتے امام صاحب اگر زار کو صحیح حالات بتلائیں تو پولش کرنل کے نزدیک زار اور مصیبت زدہ باغیوں دونوں کی صحیح خدمت ہو گی۔

حضرت امام صاحب خاموش رہے اور کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ لیکن پولش کرنل نے ایک نہایت ناواجب خط زار کو امام صاحب کی طرف سے لکھا اور امام صاحب کو کہا کہ وہ اس پر دستخط کر دیں۔ خط میں لکھا تھا کہ حضور والا نے چیچنیا والوں اور دوسروں کے معاملے میں نرمی اختیار کی ہے لیکن پولینڈ والوں پر بڑا ظلم ہوا ہے۔ میں شامل، حضور والا سے درخواست کرتا ہوں کہ پولینڈ والوں پر بھی چیچنیا والوں کی مانند رحم فرمایا جاوے۔

امام صاحب کے تیور بدل گئے لیکن وہ اپنا غصہ دبا کر نرمی سے بولے کہ کرنل میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ یہ معاملہ لے کر میرے پاس نہ آئیں۔ میں زار کو کسی ایسے معاملہ میں تکلیف نہیں دوں گا جس کا مجھ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ جب کرنل نے امام کے رویہ میں سختی دیکھی تو وہ ڈر گیا اور اس نے امام صاحب سے وعدہ لے لیا کہ وہ اس خط کے بارے میں کسی سے بات نہیں کریں گے۔ حضرت نے یہ وعدہ نبھایا۔ اس قسم کے سانپ کے کردار کے آدمی سے ہر قسم کی اذیت برداشت کر کے بھی وعدہ نبھانا حضرت کے اعلیٰ کردار کی ایک بہت بلند مثال ہے۔

پولش کرنل اپنی بات تو حضرت سے نہیں منوا سکا تھا۔ اب اس نے، حضرت کو مسلسل اذیتیں دینا شروع کیں۔ امام صاحب کی ہر حرکت کا غلط مطلب نکالتا۔ امام صاحب پر روس کے خلاف سازشیں کرنے کا الزام لگاتا۔ امام صاحب کو سائبیریا بھجوانے کی کوشش کرتا اور جب امام صاحب نے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت مانگی تو مشہور کیا کہ امام صاحب باہر جا کر گڑبڑ کریں گے۔

پولش کرنل ہمیشہ امام صاحب پر واضح کرتا رہتا تھا کہ وہ ایک قیدی ہیں۔ اس زمانے کی کرنل زہارن کی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ کوئی احسان کیا جائے تو پھر اس کی احسان مندی مستقل ہوتی ہے۔ یہ صاحب امام صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ اپنے دل میں زار سے کسی قسم کا شکوہ نہیں رکھتے تھے جس نے انہیں قید بھی کیا تھا لیکن ساتھ ہی دوست بھی بنایا تھا۔ اور اگر زار سے وفاداری کے لئے پولش کرنل کو برداشت کرنا ضروری ہو تو وہ اس کے لئے آمادہ تھے۔ وہ زار سے کسی رعایت مانگنے یا اسے اپنی تکالیف کے لئے پریشان کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

غالباً پولش کرنل کی شرارتوں کے ہی سبب 1868ء میں زار نے امام صاحب کی حج کی درخواست اس بنا پر نامنظور کر دی کہ چیچنیا کے علاقے میں حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ اصل میں امام صاحب کو ابھی تک خطرناک سمجھا جا رہا تھا۔ اس پر امام صاحب نے شہزادہ بیریاٹنسکی کو لکھا:۔

"میں آپ سے اور شہنشاہ سے شرمندہ ہوں اور مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنی خواہش بیان کی جو کہ اصل میں ہر نیک مسلمان کی خواہش ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ چیچنیا کے علاقے میں مکمل امن نہیں ہوا ہے تو میں اس معاملے پر بالکل بات نہ کرتا"۔

چونکہ امام صاحب اپنی وفاداری میں پکے تھے۔ انہیں یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ دوسرے لوگ ان کی وفاداری پر شک کر سکتے ہیں۔ اگلے سال پھر حضرت کی حج کی درخواست نامنظور ہو گئی۔ بے چارے خدا کے راستے کے مسافر تلخی کے سبب اندر ہی اندر گھل رہے تھے۔ اس زمانے کے ان کے ملاقاتی بتلاتے ہیں کہ ان پر

بڑی تیزی سے بڑھاپا آگیا تھا اور سانس رک رک کر آتا تھا۔ بعض اوقات ان کے پرانے زخم تکلیف دیتے تھے۔ وہ بہت کمزور ہو گئے تھے اور کمزوری کے دورے بھی پڑتے تھے۔ ریوسکی صاحب نے حضرت کی حالت کے بارے میں کہا کہ "عقاب پہاڑوں میں رہتے ہیں اور وادیوں میں انتقال کرجاتے ہیں"۔ اب پھر ماضی کی طرف چلتے ہیں۔

حضرت امام صاحب پولش کرنل کے لئے اپنی نفرت پر پردہ ڈالتے رہے اگرچہ وہ جب بھی کرنل کو دیکھتے تو ان کے چہرے پر تناؤ ہو جاتا اور وہ منہ دوسری طرف کر لیتے۔ آخر کار انہوں نے کلوگہ کے گورنر سے باقاعدہ درخواست کی کہ ان کی شکایات ایک ٹریبونل سنے۔ اس ٹریبونل کے سامنے انہوں نے پولش کرنل کے لگائے ہوئے تمام جھوٹے الزامات کی قطعی تردید کی۔ لیکن انہوں نے کرنل سے کیا ہوا اپنا وعدہ ایفا کیا اور پولینڈ کے باغیوں کے بارے میں جو خط اس نے لکھا تھا اس کا ذکر نہیں کیا۔ اس وقت امام صاحب اپنے آپ پر قابو رکھتے ہوئے بڑے وقار سے بولے لیکن بالآخر وہ غصہ سے پھٹ پڑے۔ ان کے اندر کا شیر جاگ اٹھا اور وہ ٹریبونل کے سامنے اپنی پوری قوت کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ ان کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ انہوں نے کہا:

"جب میں اس شخص کو دیکھتا ہوں تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ میرا سر پھٹنے لگتا ہے اور میرا دل کرتا ہے کہ یا میں اسے مار دوں یا اپنے آپ کو مار لوں۔ یہ شخص میرے سامنے شیطان کی صورت میں آتا ہے جس کی وجہ سے میں نماز بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ یہ میرے گھر پر منڈلاتا رہتا ہے اور میرے خاندان کے لوگوں میں جھگڑے ڈالتا ہے۔ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور چاہتا ہوں کہ خدا کی عبادت کرتا رہوں اور خدا سے ملاقات کے وقت کامیاب ہو سکوں۔ میں کسی بھی شخص کے لئے اپنے دل میں نفرت نہیں رکھنا چاہتا۔ مجھے بڑا صدمہ ہوتا ہے جب یہ شخص کلوگہ کے لوگوں میں مجھے بدنام کرتا ہے جو میرے دوست تھے لیکن اب اس کی وجہ سے شاذونادر ہی مجھے کوئی ملتا ہے اگرچہ میرے دروازے ان کے لئے ہمیشہ کھلے ہوتے ہیں۔ میں زار کا احترام کرتا ہوں۔ میں نے کبھی شکایت نہیں کی۔ اگر کوئی ایسے خطوط ہیں جن میں میری جانب سے شکایت لکھی ہے تو ایسے سب خطوط جعلی ہیں۔ میں انصاف کا طالب ہوں کہ میرے مرنے سے پہلے اس شخص کو ہٹادیا جائے"۔

حضرت کے لئے خوشیاں

پولش کرنل کو بے عزت کر کے برخواست کر دیا گیا اور اس کی جگہ میجر جنرل چیچاگو کو لگا دیا گیا۔ اس تقرری پر امام صاحب کا خاندان اور میجر جنرل چیچاگو کے گھرانے دونوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ ۱۸۶۶ء سے لے کر ۱۸۶۹ء تک یعنی جب چیچاگو کا انتقال ہوا' امام صاحب ہنسی خوشی رہے۔ امام صاحب بعض اوقات چیچاگو کے گھر چلے جاتے تھے۔ اور وہاں کافی وقت باتیں ہوتی رہتی تھیں۔

امام صاحب کی صحت کافی اچھی رہی تھی لیکن اب ان کی صحت تیزی سے گر رہی تھی۔ وہ انگیٹھی کے پاس پڑے ہوئے گدوں پر لیٹ جاتے تھے۔ ان کے چہرے پر کمزوری ہوتی تھی لیکن وہ چیچاگو خاندان کے بچوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے کھیلتے تھے۔ جب مغرب کا وقت ہو جاتا تھا تو وہ بچوں کو چھوڑ کر اس گھر کے مطالعہ کے کمرے میں جا کر اندر سے بند کر لیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ اس مقصد کے لئے ایک سفید چادر تیار رکھی جاتی تھی۔ وہ واپس آ کر پھر شریک گفتگو ہو جاتے۔ امام صاحب جنرل چیچاگو سے فلکیات کے بارے میں گفتگو کرتے یا فرمائش کرتے کہ جنرل صاحب دنیا کے نقشے انہیں سمجھائیں یا پھر گزشتہ جنگوں کے متعلق گفتگو ہوتی۔ کبھی ارواح انسانی کی سابقہ کیفیت اور حیات کے بارے میں بات ہوتی۔ حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا کہ جسموں کے ساتھ ملنے سے قبل ارواح فوجوں کی مانند تھیں اور منتظر تھیں کہ انہیں الگ الگ کیا جائے اور انسانوں کے جسموں کے ساتھ جوڑا جائے۔

ہمیں معلوم ہے کہ امام صاحب بولتے بہت کم تھے اور کام بہت زیادہ کرتے تھے۔ لیکن اب جبکہ عملی کام کا وقت گزر چکا تھا وہ بعض اوقات بڑی طویل گفتگو کرتے تھے اور اپنی حیرت انگیز زندگی کے بارے میں بتلاتے تھے۔ بیگم چیچاگو ان واقعات کو انتہائی دلچسپی کے ساتھ سنتی رہتی تھیں لیکن وہ اکثر باتیں لکھنا بھول گئیں۔ البتہ بیگم چیچاگو کی امام صاحب کی بیگمات کے ساتھ لمبی گفتگوئیں ہوتی تھیں۔ بچوں کے متعلق یا خاوندوں کے متعلق وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ایک خاوند کی ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی بیگم چیچاگو بہت سختی سے مخالف تھیں۔

ایک مرتبہ بیگم چیچاگو نے کہا کہ ہم عیسائیوں کا خیال ہے کہ کسی مرد کے لئے ناممکن ہے کہ وہ ایک سے زیادہ عورتوں سے ایک ہی وقت میں محبت کرے۔ اس پر امام صاحب کی چھوٹی بیگم شوآنیٹ نے کہا کہ میں ایک عیسائی گھرانے میں پلی ہوں اور مجھے خوب معلوم ہے کہ عیسائی خاوندوں کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی ہیں۔ البتہ ہوتی خفیہ ہیں۔ بیگم چیچاگو نے کہا کہ اگر جو کچھ تم کہہ رہی ہو وہ سچ ہو تو پھر یہ خوشیاں بھری شادیاں نہ ہوا کرتیں۔ جو کہ بہت سی ہوتی ہیں۔ یہ گفتگو یہاں ختم ہو گئی کیونکہ بیگم چیچاگو کچھ برا مان رہی تھیں۔

میجر جنرل چیچاگو کی وفات

۱۸۶۹ء میں چیچاگو کی اچانک وفات ہو گئی۔ ہر دوسرے شخص سے پہلے امام صاحب بیوہ کے پاس پہنچے۔ بیوہ لکھتی ہیں کہ وہ مجھے صبر کی تلقین کرتے رہے اور ہمت دلاتے رہے اور میرا دکھ بٹاتے رہے اور میرے ساتھ روتے رہے۔ امام صاحب کہتے رہے کہ اب ہمارے پاس کچھ نہیں رہا ہے۔ کلوگہ میں ان کے خاندان کے سترہ آدمیوں کا انتقال ہو گیا تھا جن کے زخم اس موقع پر ہرے ہو گئے تھے۔

کیف اور بیریا ٹنسکی

اکتوبر میں شہزادہ بیریا ٹنسکی نے امام صاحب کے جنوب کی جانب جانے کی منظوری لے لی۔ بیریا ٹنسکی امام صاحب کے متعلق باخبر رہتا تھا اگرچہ وہ دور رہتے تھے۔ چنانچہ امام صاحب کیف کو چل پڑے۔ وہاں سنہرے گنبدوں والے یہودیوں کے عبادت خانوں کی وجہ سے کیف کو روس کا یروشلم کہا جاتا تھا۔ جنوبی علاقہ کے اچھے موسم کی وجہ سے سب گھر والوں کی صحتیں اور مزاج بہتر ہو گئے۔ لیکن یہ بس ایک آخری وقفہ ہی تھا۔ امام صاحب کو معلوم ہو گیا تھا کہ اب ان کا آخری وقت قریب ہے۔ مارچ ۱۸۷۰ء میں انہیں زار کی اجازت مل گئی کہ وہ مکہ مکرمہ تشریف لے جائیں۔ ان کی عمر ۷۴ سال تھی اور انہوں نے لکھا تھا کہ مجھے موت کا سایہ منڈلاتا محسوس ہو رہا ہے۔ اس کے باوجود حکومت نے سختی کی اور حضرت کے بیٹوں غازی محمد اور محمد شفیع کو حضرت کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ عورتوں' بچوں اور کچھ نائبین کے ساتھ حضرت مکہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

وہ چیچنیا کا راستہ چھوڑ کر اناپا کی بندرگاہ سے قسطنطنیہ کے لئے جہاز میں سوار ہوئے۔ امام صاحب کو بے پناہ خوشی ہوئی جب انہوں نے تیمر خاں میں اپنے دوستوں کو الوداعی تار بھیجے۔ یہ تار دو گھنٹے میں پہنچ گئے۔ لیکن حضرت کو یاد تھا کہ اس فاصلے کو طے کرنے کے لئے قافلوں کو دو مہینے لگا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت بہت تعجب کیا کرتے تھے۔

حضرت امام شامل ترکی میں

قسطنطنیہ آمد پر ساحل پر بہت بڑا اژدہام تھا جو نہایت جوش و خروش سے زندہ باد کے نعروں سے امام صاحب کا شاہانہ استقبال کر رہا تھا۔ روسی سفارتخانہ نے امام

صاحب کی پارٹی کو اپنے ہاں قیام کرنے کی دعوت دی لیکن امام صاحب نے فرمایا کہ ترکی میں میں ترک سلطان کا مہمان ہوں۔ سلطان عبدالعزیز نے حضرت کو بڑی عزت دی اور اپنے نہایت شاندار دربار میں امام صاحب کی تعظیم کی۔ شاہی دربار سے باہر ہجوم ہر وقت حضرت کے پیچھے پیچھے رہتا تھا۔ جہاں بھی حضرت جاتے تھے اور جس راستے سے حضرت گزر کر مسجد کو جاتے تھے 'اس راستہ کو بھی لوگ بوسہ دیتے تھے۔

سلطان نے امام صاحب کو اپنے متعدد محلوں میں سے ایک پیش کیا لیکن امام صاحب کی سادگی پسند طبیعت نے کسی کو بھی منظور نہیں کیا۔ امام صاحب کو اپنی جلا وطنی ترکی کے کرپشن کے ماحول میں کلوگہ کے محنتی روسیوں کے درمیان کے مقابلے میں کس قدر زیادہ تکلیف دہ محسوس ہوئی ہوگی۔ مذہب کے علاوہ ترکی کے حالات امام صاحب کے لئے بالکل اجنبی تھے۔ سلطان کو ڈر ہوا کہ امام صاحب کی ہر دلعزیزی سلطنت عثمانیہ کا تختہ نہ الٹ دے۔ چنانچہ ہلکے پھلکے انداز میں سلطان نے امام صاحب کو کہا کہ آپ تو لٹیرے ہیں تو امام صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ میں آپ سے کم لٹیرا ہوں اور معنی خیز انداز میں پوچھا کہ وہ آپ کے بار بار کے وعدہ کے باوجود آپ کی طرف سے امداد کیوں نہیں پہنچی تھی؟۔

تاہم سلطان نے امام صاحب کی موجودگی کو غنیمت جانتے ہوئے امام صاحب سے درخواست کی وہ قاہرہ تشریف لے جائیں اور ترکی اور مصر کے درمیان ایک تلخ جھگڑے کو طے کرائیں۔ حضرت نے اس کام کا بیڑہ اٹھالیا اور اس کو کامیاب کرادیا۔ ان کی اس دلیل نے کہ مسلمانوں کے درمیان جھگڑوں سے غیر مسلم خوش ہوں گے "کام کر دکھایا۔

قاہرہ سے واپسی کے سفر کے دوران سمندر میں بے حد خطرناک طوفان آگیا اور جہاز کے بچنے کی امید نہیں رہی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اس طوفان کو خاموش کروا دیتا ہوں۔ انہوں نے ایک کاغذ پر کچھ لکھا منہ میں اور کچھ پڑھا اور اس کاغذ کو سمندر میں ڈال دیا اور سمندر تقریباً فوری خاموش ہوگیا۔

حضرت کی غیر موجودگی میں ان کا خاندان ترکی میں کو سکہ کے بڑے گھر میں ان کا منتظر رہا۔ یہ گھر عسکرائی کے امراء کے علاقے میں تھا جس کو امام صاحب نے سلطان سے لینا منظور کیا تھا۔ یہ پچاس کمروں کا قدیم گھر تھا جس پر بہت بڑے بڑے درخت سایہ کئے ہوئے تھے اور اس کی اپنی مسجد بھی تھی اور اسی وجہ سے امام صاحب نے اس کو منتخب کیا تھا۔ اس جگہ چیچنیا کے علاقے کے جلا وطن لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا جو اپنے پہاڑوں کو اور جہاد کے دنوں کو یاد کرتے تھے ان کا ماتمی نغمہ یہ ہوتا تھا:-

"اے گونب کے پہاڑو۔ او شامل کے مجاہدو
شامل کا قلعہ مجاہدوں سے بھرا ہوا تھا لیکن پھر بھی
یہ شکست کھا گیا اور ہمیشہ کے لئے شکست کھا گیا"

حضرت مکہ مکرمہ میں

جب حضرت مصر سے لوٹے تو سارا قافلہ مکہ مکرمہ کو روانہ ہوگیا۔ اس مقدس ترین شہر میں امام صاحب کی عظیم اور مقناطیسی شخصیت کا یہ حال تھا کہ وہ جب کسی راستہ سے گزرتے تھے تو محسوس ہوتا تھا کہ کوئی بہت بڑی طاقت لوگوں کو ان کی طرف کھینچ رہی ہے۔ جب وہ مسجد میں نماز کے لئے جاتے تھے تو مسجد میں اژدہام ہوجاتا تھا اور ترک پولیس کنٹرول نہیں کرسکتی تھی۔ بالآخر پولیس نے امام صاحب کے لئے خصوصی اوقات مقرر کئے جن میں وہ عبادت کریں۔ دن کے وقت حرم کے دروازے بند کردیئے جاتے تھے یا پھر انہیں رات کا وقت دیا جاتا جب لوگ سو رہے ہوتے تھے۔

اس طرح سے امام صاحب کی زندگی کے آخری مہینے ان کی خواہش کے مطابق عبادت میں گذرے۔ وہ اپنے پہاڑوں سے دور تھے لیکن وہ اب جلا وطن نہیں تھے۔ حجر اسود مسلمانوں کے لئے مقدس تھا اور مکہ تو جنت کا ایک ٹکڑا تھا۔ طواف اور سعی وغیرہ یہ سب امام صاحب کی انتہائی کٹھن زندگی کے انعامات تھے۔ جہاد کیا جاچکا تھا۔ حج مکمل ہونے والا تھا۔ مکہ سے امام صاحب نے چیچنیا کے علاقے کے روسی وائسرائے کو لکھا:۔

"میں بالآخر جہاں جانا چاہتا تھا وہاں پہنچ گیا اور میں آپ کی مدد کے لئے ہمیشہ دعاگو رہوں گا۔ اب مجھے کئی بیماریاں لگی ہوئی ہیں اور میں بستر پر ہی پڑا رہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میرا آخری وقت نزدیک ہے۔ میری آپ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ میرے خاندان اور میرے مریدوں کا خیال رکھیں اور ان پر وہی مہربانی اور شفقت رکھیں جو آپ ہمیشہ مجھ پر رکھتے تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ میرے بیٹوں کو یہاں آنے کی اجازت دے رہے ہیں اور انہیں آپ نے سفر خرچ بھی دے دیا ہے۔ آپ کی یہ مہربانی مجھ پر خدا کی جانب سے ہوگی۔ میں آپ کو اس کا بدلہ کبھی نہیں دے سکوں گا۔ میں دوبارہ عرض کردوں کہ میں تہ دل سے آپ کا ممنون ہوں۔ خدا آپ کو ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

بیمار اور قدیم مسافر 'شامل'"

(حضرت نے دستخط خود کئے)

1870ء کے اواخر تک ان کے جسم کی طاقت تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ امام صاحب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور شیخ احمد رفاعی کے مکان میں قیام کیا۔ یہاں جہاد کے زمانے کی سی سادگی تھی۔ سب لوگ ذکر اور فکر میں مصروف رہے۔

یہ غم کا زمانہ تھا۔ سب کو احساس تھا کہ امام صاحب سے جدا ہونے کا وقت قریب ہے۔ وہاں کی شدید گرمی نے مزید پریشان کیا۔ گھر والے تو باسفورس ترکی جانا چاہتے تھے لیکن امام صاحب کو احساس تھا کہ ان کا آخری وقت قریب ہے اس لئے وہ مدینہ میں ہی رہنا چاہتے تھے۔ انہیں ہر وقت غاضی محمد کے آنے کی امید تھی۔ انہیں یہ یقین نہیں آتا تھا کہ روسی اب ان کے بیٹوں کو روکے رکھیں گے۔ 1870ء کے اواخر میں ان کی ایک بیٹی کا جو چھوٹی بیوی سے تھیں 'انتقال ہوگیا۔ اس کے جلد ہی بعد امام صاحب کی بڑی بیگم کا طائف کے پہاڑوں میں انتقال ہوگیا جہاں وہ گرمی سے بچنے کے لئے گئی تھیں۔ اب ان کے پاس صرف ایک بیوی شوآینٹ رہ گئیں اور بیٹا صرف ایک ننھا کامل رہ گیا۔ ترکی میں امام صاحب کی بیٹی نجاوت کی شادی غدار محمد امین کے بیٹے داؤد سے ہوگئی تھی۔ داؤد نے اپنے باپ سے قطع تعلق اختیار کرلی تھی اور وہ حضرت کے ساتھ ہوگیا تھا اور اب بھی ساتھ تھا۔

امام صاحب اب بہت تاکیدی انداز میں روس کو لکھ رہے تھے کہ ان کے بڑے بیٹوں کو ان کے پاس آنے دیا جائے۔ لیکن نیا سال آگیا پھر بھی روسیوں نے اجازت نہیں دی۔ امام صاحب ہر گھنٹہ ان کے منتظر رہے۔ وہ یہ یقین نہیں کرسکتے تھے کہ ان کا دوست زار اس معاملہ کو نہیں سمجھے گا۔ غالباً معاملہ زار تک پہنچا ہی نہیں کیونکہ اسے بالکل معلوم نہیں تھا کہ امام صاحب کی کشتی گرداب میں ہے۔ بیرا ٹسکی غالباً اس وقت باہر کے دورے پر تھا۔ چنانچہ معاملہ چھوٹے افسروں کے ہاتھ میں رہا۔

غاضی محمد نے اپنے والد محترم کو لکھا کہ میں جلد آپ کے پاس آجاؤں گا اور چند دن تک میں چل پڑوں گا۔ لیکن وقت گزرتا رہا اور روس سے باہر نکلنے کا پرمٹ نہیں ملا۔ بالآخر غاضی محمد نے سالہا سال کی خاموشی اور اطاعت کو توڑا۔ صاحبان اقتدار سے زبردستی ایک انٹرویو حاصل کیا اور دھمکی دی کہ میں بھاگ جاؤں گا اور اگر فوراً جانے کی اجازت نہ ملی تو پھر میری راہ میں جو مزاحم ہوا اسے ماردوں گا یا مرجاؤں گا۔ غاضی محمد کے مرنے یا مارنے پر آمادگی نے انہیں نیند سے جگایا۔ انہیں یہ امید تھی کہ ایک دن غاضی محمد چیچنیا کے علاقے میں روسی وائسرائے کے طور پر لگائے جاسکیں گے اور ان کی

حکومت میں وہاں سارا ملک امن چین سے رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے مجبوراً اجازت دے دی۔ خاضی محمد مکہ مکرمہ جاسکتے تھے لیکن ان کی بیوی جیبہ اور ان کا بچہ ان کی واپسی کو یقینی بنانے کے لئے یرغمال کے طور پر روس میں رہنے تھے۔ جیبہ اس جدائی کے موقع پر بے حد پریشان تھی کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ دوبارہ کبھی اپنے خاوند سے نہیں مل سکے گی۔ کیونکہ ایک دفعہ روس سے باہر نکل کر ایسا آدمی دوبارہ خود بخود تو اس جیل خانے میں وہ نہیں آئے گا۔

قسطنطنیہ سے خاضی محمد صحرا کے راستے سے مکہ مکرمہ کی جانب چلے لیکن راستہ عرب ڈاکوؤں کی وجہ سے بند تھا جس کی وجہ سے تاخیر ہوئی۔ آخر کار حرم میں پہنچ کر وہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور حجر اسود کو چوم ہی رہے تھے کہ ایک میلا سا بوڑھا درویش جس نے سبز رنگ کی پگڑی باندھی ہوئی تھی، آکر خاضی محمد کے پاس کھڑا ہو گیا اور آگے اور پیچھے کی جانب جھومتا ہوا وہ سب لوگوں کو کہہ رہا تھا کہ "اے سب ایمان والو، اب امام شامل کی برگزیدہ روح کے لئے دعا کرو"۔

خاضی محمد کو اس طرح امام صاحب کی وفات کا حال معلوم ہوا۔ یہ آج تک راز نہیں کھل سکا کہ بوڑھے درویش کو گزشتہ شب کے امام صاحب کے انتقال کا کیسے پتہ چلا جب کہ مدینہ منورہ کا سفر مکہ مکرمہ سے بارہ دن کے صحرا کا تھا۔ خاضی محمد فوراً اچھل پڑے۔ روسیوں کی تاخیر کی وجہ سے وہ اپنے عظیم والد سے آخری ملاقات نہ کر سکے تھے۔ اس کو انہوں نے کبھی نہیں بھلایا اور نہ معاف کیا۔

اس سے قبل جنوری میں امام صاحب نے مکہ مکرمہ واپسی کا فیصلہ کیا۔ وہ بہت کمزور تھے اور سوار نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کو ہودج میں لٹایا گیا اور شاندار قسم کے پردے لگائے گئے جو کہ معزز لوگوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ پہلی ہی منزل میں اونٹ کو ٹھوکر لگی اور حضرت گر پڑے اور بری طرح زخمی ہو گئے۔ کاروان واپس مدینہ کو چلا۔ شیخ احمد الرفاعی کے گھر میں امام الاعظم ایک چھوٹے سے کمرے میں لٹا دیئے گئے۔ ان کا رخ دروازے کی طرف تھا اور رسول مقبول ﷺ کا مقبرہ بھی انہیں نظر آتا تھا۔ جب بھی دروازہ کھلتا تھا ان کو خیال ہوتا تھا کہ خاضی محمد آئے ہیں، بالآخر آگئے ہیں۔ انہیں اب بھی روسیوں کی خیر خواہی پر اعتماد تھا اور انہوں نے چیچنیا کے علاقے کے روسی وائسرائے کو ایک اور خط لکھا:۔

"میری آپ سے آخری درخواست یہ ہے کہ میرے خاندان کے سب افراد میری موت کے بعد ایک ہی جگہ اکٹھے ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھیڑوں کا گلہ بن جائیں جن کا کوئی رکھوالا نہ ہو"

چار فروری 1871ء مغرب سے ذرا پہلے امام صاحب چونکے اور وہ اپنی پرانی طاقت سے با آواز بلند بڑی خوشی سے چلائے اللہ اللہ، پھر ان کی عجیب و غریب نصف کھلی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ ان کے مقبرے پر خدا ترس لوگ زیارت کرنے لگے۔ مصنفہ لکھتی ہے کہ اب اس شاندار مقبرہ کا کوئی نشان باقی نہیں ہے کیونکہ ابن سعود کے مریدوں نے ایسی تمام قبروں کے نشان مٹا دیئے ہیں لیکن چیچنیا کے علاقوں میں غمزی، اکھلگو وغیرہ حضرت کی زندہ یادگاریں ہیں۔

عرض مترجم

جس کتاب کا میں ترجمہ اور تلخیص کر رہا ہوں اس میں کچھ نہیں لکھا کہ حضرت کی وفات کا اثر ان کے خاندان کے افراد پر کیا ہوا۔ خاضی محمد کی آمد پر کیا بیتی۔ حضرت کے نائبین اور مریدوں نے کیا کیا۔ دیگر اقوام میں اور دیگر مسلم حکمرانوں میں اور صحافیوں نے کیا کچھ کہا اور لکھا۔ ہندوستان اور پاکستان میں اگر کچھ کہا یا لکھا گیا ہو تو اس کا بھی علم نہیں ہے۔ اب آئندہ ان شاء اللہ خاضی محمد کے حضرت کی وفات کے بعد کے کارنامے پیش کروں گا اور اس کے بعد حضرت کے عظیم جہاد کی داستان شروع کروں گا۔ البتہ قارئین سے درخواست ہے کہ اب تک کے میرے ترجمہ اور تلخیص کے کام پر ناقدانہ تبصرہ کریں تاکہ میں اصلاح کر سکوں۔ اور اس کام کو مزید بہتر بنا سکوں۔ میرے لئے یہ اپنی نوعیت کا پہلا کام ہے۔

خاکسار، اظہار احمد قریشی
3۔ ریواز گارڈن، لاہور۔
فون: 9-7320108۔ فیکس: 7359378

بقیہ: گوشہ خلافت

تمام ہندوستانیوں سے اس دن ہڑتال کرنے کی جو اپیل کی گئی اس پر مسلم اکابرین کے علاوہ مہاتما گاندھی اور پنڈت موتی لال نہرو کے بھی دستخط تھے۔ ہڑتال کے دن دہلی میں شام کو جو عظیم الشان جلسہ ہوا اس میں سوامی شردھانند نے خلافت کے احیاء کے سلسلے میں تقریر کی تھی۔

اس سے قبل ۱۹۱۹ء کے اس واقعہ کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ اسی سال دسمبر میں علی برادران بیتول جیل سے رہا ہوئے اور وہاں سے امرتسر کی جانب کوچ کیا جہاں کانگرس کا اجلاس ہو رہا تھا۔ جب یہ امرتسر پہنچے تو ان کا استقبال کرنے والوں میں گاندھی جی، پنڈت موتی لال نہرو، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خان کے علاوہ لالہ لاجپت رائے بھی تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ تحریک خلافت کو الگ کر کے ہندوستان کی تحریک آزادی کی جنگ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ تحریک آزادی ہند کی تاریخ تحریک خلافت کے بغیر نامکمل ہے۔ جو لوگ آج خلافت کے نام پر کسی مہم کو فتنہ کہہ رہے ہیں، جہالت سے تعبیر کر رہے یا ملک دشمنی قرار دے رہے ہیں وہ اس کی دینی و شرعی حیثیت کو ہی جھٹلا نہیں رہے ہیں بلکہ ملک کی تحریک آزادی اور حب الوطنی میں اس کے رول کا انکار کر رہے ہیں۔

بقیہ: نقطہ نظر

زیب تن کیا کرتے تھے مسلمانوں کے قائد کی علامت کے طور پر کم از کم ٹوپی ضرور پہننا چاہئے۔ لیکن قائداعظم کی بارعب شخصیت کی بنا پر کسی کو یہ جرات نہ ہوتی تھی کہ یہ تجویز ان کے سامنے پیش کرے۔ آخر لوگوں نے اس کام کے لئے مرحوم سردار عبدالرب نشتر کو آمادہ کر لیا۔ وہی ٹوپی لائی گئی جو بعد میں ان سے منسوب ہو کر جناح کیپ کہلائی۔ سردار عبدالرب نشتر نے بڑی ہمت کر کے قائداعظم کے سامنے لوگوں کی خواہش اور ساتھ ہی وہ ٹوپی پیش کر دی۔ قائداعظم نے اس ٹوپی کو ایک جانب پھینکتے ہوئے کہا Look Mr. Nishtur I am a politician and not a Joker دیکھیں مسٹر نشتر میں ایک سیاستدان ہوں جوکر نہیں۔ بعد میں کسی نہ کسی طرح انہیں اس ٹوپی کے استعمال کا قائل کر لیا گیا۔ ڈاکٹر اقبال احمد جیسے دانشوران قوم سے دست بستہ گزارش ہے کہ للہ وہ قوم کو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ قوم پہلے ہی قائداعظم کے ناخلف جانشینوں اور مفاد پرست لیڈروں کے ہاتھوں تنگ ہے۔ اس کے زخموں پر نمک نہ چھڑکیں۔ اگر باپ اولاد کو ایک نظریہ عطا کرے اور اس کی اولاد اس نظریئے سے وفا نہ کرے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ نظریہ ہی سرے سے غلط تھا۔ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہو یا نہ بنا ہو، یہ ایک حقیقت ہے کہ اس ملک کی عظیم اکثریت اسلام کی نام لیوا ہے۔ لہٰذا منطقی طور پر اس کا رخ اسلام کی جانب رہنے دیں۔ آپ جیسے لوگوں نے اگر اپنی انفرادی زندگیوں میں سیکولرزم کو اختیار کر لیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پوری قوم سیکولر ہو جائے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک لومڑی کی دم کٹ گئی تو اس نے جنگل کی لومڑیوں کو اکٹھا کیا اور ان سے کہنے لگی کہ دیکھو میری دم کٹ گئی ہے تو میں کتنی خوبصورت لگنے لگی ہوں۔ تم لوگ بھی اگر میری طرح خوبصورت بننا چاہتی ہو تو اپنی دموں کو کٹوا لو۔

گینگ ریپ کے محرکات میں ڈش انٹینا اور ویڈیو فلمیں سرفہرست ہیں

جب تک ذرائع ابلاغ کی اصلاح نہیں کی جاتی' جرائم کا تدارک نہیں کیا جا سکتا

گینگ ریپ : محرکات کے سدباب کی ضرورت

محبوب الحق عاجز

کیا یہ وہی امت ہے جس کا اصول تکریم انسانیت ٹھہرا تھا؟ یہ وہی مسلمان ہے جسے اہل اسلام ہی نہیں' تمام انسانیت کی عفت و عصمت کا پاسبان بنایا گیا تھا؟ یہ وہی مومن ہے جسے شرم و حیا اور غض بصر کی تلقین کی گئی تھی؟ یہ وہی حامل قرآن ہے جسے "لاتقربوا الزنا" کا حکم دیا گیا تھا؟ جی ہاں یہ وہی ملت ہے اور وہی مومن و مسلم' لیکن ----- وہ کردار ناپید ہو چکا ہے' وہ اقدار بدل چکی ہیں' وہ ذہنی رویے تبدیل ہو گئے ہیں' وہ احساس مرچکا ہے' سوچ کے انداز بدل چکے ہیں۔ فکر صالح کے دریچے پر الحاد نے قبضہ کر لیا ہے۔ عمل خیر کے سانچے میں بے عملی اور بد عملی ڈھل چکی ہے۔ شرم و حیا کی جگہ بے شرمی نے لے لی ہے اور حمیت کا مقام بے حمیتی اور بے غیرتی نے حاصل کر لیا ہے۔

اجتماعی سطح پر قومی بے حمیتی ایک ایسی تلخ حقیقت ہے' جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یوں تو اس کے مظاہر معاشرے میں زندگی کے ہر پہلو میں "جلوہ گر" دکھائی دیتے ہیں' لیکن اس بے شرمی کا نقطہ کمال روز افزوں گینگ ریپ کے واقعات ہیں۔ چنانچہ آئے روز اخبارات میں ہمیں یہ خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں کہ "۱۳ سالہ بچی کے ساتھ ۱۳ افراد کی اجتماعی زیادتی" یا خبر کی ہیئت اس طرح ہوتی ہے : "۱۲ سالہ بچی کے ساتھ گینگ ریپ' بعد میں قتل کر دیا گیا"۔ یہ شرمناک صورتحال ہمارے سماجی نظام کی تباہی کی بد ترین مثال اور مستقبل میں آنے والے بہت بڑے اور ہمہ گیر عذاب کی محض تمہید ہے۔ اسے کیا کہا جائے' کیا نام دیا جائے ؎

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے
خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے

خیالات ساتھ نہیں دیتے' قلم کانپ جاتا ہے' زبان لڑکھڑاتی ہے' لیکن قلب و ذہن کے دریچوں سے جواب آتا ہے : یہ بدکاری ہے' بے حمیتی ہے' کمینگی ہے' شیطنت ہے' نری حیوانیت اور درندگی ہے لیکن —— یہ محض درندگی ہی نہیں بلکہ درندگی سے بھی قبیح' شنیع اور بدتر فعل ہے۔

بلاشبہ انسان اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے۔ اسے تمام مخلوقات سے زیادہ عزت و شرف سے نوازا گیا ہے لیکن وہ اسی وقت تک انسان رہتا ہے جب تک "انسانیت" کے مقام پر فائز رہے۔ جب مقام انسانیت سے گر جائے' انسانی اوصاف سے محروم ہو جائے' انسانی اخلاق سے بے بہرہ ہو جائے' تکریم آدمیت کے تصور سے عاری ہو جائے۔ اور انسانی عزت و وقار کے اصولوں سے آنکھیں پھیر لے تو پھر وہ درجہ انسانیت سے گر کر درجہ حیوانیت تک پہنچ جاتا' بلکہ حیوانوں اور درندوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ میں نہیں کہتا' میرا مالک کہتا ہے اپنے کلام مقدس میں' اور قسم کھا کر کہتا ہے :

"ہم کو قسم ہے جبل تین کی اور کوہ زیتون کی اور طور سینا کی اور اس پر امن شہر مکہ کی کہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ پھر اسے نیچی سے نیچی حالت کی طرف پھیر دیا مگر جو لوگ ایمان لائے..."

قارئین! یہ تو ماتم ہے ہماری اس سماجی "موت" پر لیکن اصل سوال یہ ہے کہ اس مرض کا علاج کیا ہے؟ اس سے نجات کی صورت کیا ہے؟ حکومت نے اس معاملہ کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے حدود آرڈی نینس ۱۹۷۹ء میں ترمیم کر کے اس فعل قبیح کے مرتکب کے لئے "موت کی سزا" کا قانون بنایا ہے۔ اگرچہ یہ سزا بھی متنازعہ فیہ ہے۔ کیونکہ بعض اہل علم کے نزدیک یہ صرف شادی شدہ زانی کی سزا ہے' لہٰذا اس میں شادی شدہ کی تخصیص ضروری ہے۔ اور بعض دوسروں کے خیال میں گینگ ریپ فساد فی الارض کے ذیل میں آتا ہے' اس لئے اس کے لئے موت کی سزا صحیح ہے۔ اس کی سزا جو بھی ہو' وہ بہرحال اس جرم سے نپٹنے کے لئے آخری ہتھیار اور علاج ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ حکومت وقت کے لئے لازم ہے کہ اس فعل قبیح کے حقیقی اسباب اور محرکات کو معلوم کرے اور ان کے تدارک کی کوشش کرے' کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ برائی کے راستوں ہی کو بند کر دیا جائے۔ چنانچہ جب قرآن کہتا ہے کہ "لاتقربوا الزنا" یعنی "زنا کے قریب بھی نہ جاؤ" تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان ان راستوں پر ہی نہ چلے جو زنا کی طرف لے جانے والے ہوں۔ اور ان راستوں کو بند کر دیا جائے اور ان محرکات کو ختم کر دیا جائے' جو دعوت گناہ دیتے' جنسی اشتعال اور جرائم کا جذبہ پیدا کرتے ہوں۔ حرام و حلال کی تمیز مٹا کر "درندگی" اور حیوانیت پر آمادہ کرتے ہیں۔ وگرنہ جب تک تمام اسباب گناہ موجود رہیں گے تو لازماً انسان بدکاری کی طرف مائل ہوگا' کہ انسان کے اندر جنسی جذبہ نہایت قوی اور توانا ہوتا ہے۔ فرائڈ نے اگر جنسی جذبہ کی شدت کو اس درجہ محسوس کیا ہے کہ اسے دیگر داعیات و محرکات میں سب سے اولیت دی ہے' اور اسے سب سے بنیادی اور قوی قرار دیا ہے تو یہ کلی طور غلط بھی نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ بہت ہی منہ زور گھوڑا ہے۔ اسی لئے تو اسلام نے اس کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے حد درجہ احتیاطی تدابیر ملحوظ رکھی ہیں۔ اگر آج ہم صحیح معنوں میں گینگ ریپ اور دوسرے جنسی جرائم کا تدارک کرنا چاہتے ہیں تو اسلام کے احکامات پر عمل کرتے اور اس کی بتائی ہوئی

تدابیر کو اختیار کرتے ہوئے ہمیں درج ذیل ذرائع اور راستوں کو بند کرنا ہوگا۔

ہمارے معاشرے میں بے پردگی عام ہو رہی ہے۔ خاص طور پر معاشرے کا اقلیتی لیکن موثر اور فعال مغرب زدہ طبقہ اس روگ میں بری طرح مبتلا ہے۔ ہمیں روزانہ گھر' بازار' سفر و حضر' دفاتر اور تعلیمی اداروں میں بے شمار ایسی خواتین اور نوجوان لڑکیاں بے پردہ نظر آتی ہیں کہ جن کے سروں پر اوڑھنی ہوتی ہے اور نہ ہی چہرہ مستور ہوتا ہے۔ وہ مکمل طور پر میک اپ کئے ہوتی ہیں۔ اس نوع کی بے حجابی' باریک اور چست لباس' جسم کی نیم برہنگی اور جسمانی بناؤ سنگار' برائی ہی کا باعث اور موجب بنیں گے اور برائیاں ہی پھیلیں گی۔ بنابریں اسلامی معاشرہ کو جملہ سماجی عوارض سے بچانے کے لئے احتیاطی تدبیر کے طور پر مسلمان خواتین کو پردے کا حکم دیا گیا ہے اور انہیں اپنی زینت کی نمائش سے سختی سے روکا گیا ہے کہ : "لاتبرجن تبرج الجاھلیہ" (اور وہ جاہلیت کی نمائش کی طرح اپنی زیب و زینت کی نمائش نہ کریں)۔ اس لئے آج پہلی دینی ضرورت اور حالات کا تقاضا یہ ہے کہ پردے کو لازم قرار دیا جائے۔

جنسی جرائم کا ایک نہایت اہم سبب شادی بیاہ میں بے جا تاخیر بھی ہے۔ اس تاخیر کا اصل سبب بالعموم لڑکے اور لڑکی کا معاشی مسئلہ ہوتا ہے لہٰذا نکاح کو آسان بنانے کی غرض سے اولاً نوجوانوں کے لئے روزگار کا مناسب اہتمام کیا جائے' اور ثانیاً اس جہیز کو جسے ہر خاص و عام "لعنت" کہتا ہے' قانونی طور پر ممنوع قرار دیا جائے۔ شادی بیاہ پر Lighting اور کھانوں پر پابندی بھی موجودہ خاص وقتی تناظر میں بجا ہیں لیکن کرنے کا اصل کام تو یہ ہے قانوناً جہیز پر پابندی عائد کی جائے اور اس کے ساتھ جائیداد میں جو حصہ اسلام نے لڑکیوں کے لئے مقرر کیا ہے' اس کی ادائیگی کو یقینی بنایا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ عوام جہیز پر پابندی کو بھی برضا قبول کرلیں گے' جیسے انہوں نے شادی بیاہ میں کھانے کھلانے اور اسراف پر پابندی کا خیر مقدم کیا ہے۔

جنسی تشدد کا ایک سبب ہمارے شہروں میں "غلاظت" کے اڈے بھی ہیں۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ نظریہ پاکستان نظریہ اسلام ہے' اور اگر ہمارے آئین میں یہ درج ہے کہ پاکستان کے عوام کو اپنی زندگیاں دین کی تعلیمات کے مطابق بسر کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں گے تو پھر ہمارے ہاں بڑے شہروں میں بدکاری کے اڈوں کا وجود کیوں باقی رکھا گیا ہے۔ "پاکستان" اگر پاک سرزمین ہے تو پھر ناپاکی کے مراکز ہنوز کیوں باقی ہیں؟۔ ہمارے شہر ہالینڈ کے ایمسٹرڈیم تو نہیں کہ یہاں عیش کدوں اور جنسی لذت گاہوں کا وجود برقرار رکھا جائے۔ افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے جو بھی سیاسی طالع آزما ایوان اقتدار تک پہنچے ہیں اسلام کے زینے اور نظام مصطفےٰ کے نعرے سے پہنچے ہیں' لیکن کسی کو ان مراکز کے ختم کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔ خدارا عظیم بادشاہی مسجد کے زیرسایہ اور پاکستان کے دوسرے شہروں سے فوری طور پر اس "غلاظت" کو ختم کیا جائے۔

پرنٹ میڈیا کی بے مقصدیت بھی موجودہ جنسی بے راہ روی اور آوارگی کا ایک سبب ہے۔ ہمارے ملک میں بے شمار اردو' انگریزی اور مختلف علاقائی زبانوں میں روزنامے چھپتے ہیں' مختلف رسائل و جرائد اور میگزین شائع ہوتے ہیں۔ گلی کوچوں کی دوکانیں اور بک سٹال ان سے بھرے پڑے ہوتے ہیں۔ یہ روزنامے اور میگزین شہروں میں اکثر گھروں میں پڑھے جاتے ہیں۔ ان کی صحافتی خدمات بجا لیکن ان میں سے اکثر ایسے اخلاق سوز مضامین و تبصرے' رنگین صفحات میں ماؤں' بہنوں' بیٹیوں کی برہنہ اور نیم عریاں تصاویر چھاپتے ہیں جن کا مقصد شعوری یا غیر شعوری طور پر معاشرہ میں مغربی تہذیب کی آلائشوں' اباحیت اور جنسی آزادی کا زہر سرایت کرنا ہوتا ہے۔ یہ زرد صحافت دیمک کی طرح معاشرہ کو اندر ہی اندر سے کھائے جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو نوجوان لڑکے اور لڑکیاں نیم عریاں تصاویر دیکھیں گے اور عشقیہ افسانے اور ناول پڑھیں گے تو ان میں اسلام سے بے زاری' جنسی آوارگی اور بے راہ روی ہی پھیلے گی۔ لہٰذا اخبارات کو بھی ایک اخلاقی ضابطے کا پابند کیا جائے' اور دین و اخلاق کے منافی رنگین تصاویر کی اشاعت کو ممنوع قرار دیا جائے۔

آج کے دور میں الیکٹرانک میڈیا کی اہمیت دو چند ہو گئی ہے' بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ معاشرے کے بناؤ یا بگاڑ میں الیکٹرانک میڈیا بالخصوص ٹی وی موثر ترین عامل بن گیا ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ کیونکہ معاشرے میں وہی اخلاق و کردار' رسم و رواج' طرز فکر اور رویئے اور بود و باش کے اطوار پروان چڑھتے ہیں' جن کی "تبلیغ" ٹی وی کے ذریعے کی جاتی ہے۔ بدقسمتی سے پی ٹی وی' جو سرکاری ذرائع ابلاغ کا سب سے موثر ادارہ ہے' وہاں سے اور حکومت کی اجازت سے شروع ہونے والے پرائیویٹ چینل STN' سے چوبیس گھنٹے ایسے پروگرام' ڈرامے' کارٹون اور فلمیں پیش کی جاتی ہیں جن کا ہمارے نظریہ حیات' قومی روایات' ملکی ضروریات' تاریخی و ثقافتی پس منظر سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ پروگرام اور ڈرامے وغیرہ یا تو مغربی تہذیب کا آئینہ دار ہوتے ہیں یا پھر بھارتی ثقافت کی نقالی پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس لئے تو سونیا گاندھی کو یہ کہنا پڑا کہ ہم نے ثقافتی جنگ جیت لی ہے۔

موجودہ گینگ ریپ کے واقعات اور ولی کی اجازت کے بغیر کورٹ میرج کا بڑھتا ہوا رجحان انہی پروگراموں کا ایک نتیجہ ہے۔ اگرچہ یہ سماجی تباہی کی ابتداء ہے۔ لیکن اہل بصیرت کے لئے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کوئی زیادہ مشکل نہیں کہ اس کے مستقبل میں کتنے بھیانک اور خوفناک نتائج نکلیں گے۔ دکھ کی بات تو یہ ہے کہ موجودہ پروگراموں کے خطرناک نتائج کو دیکھ کر بھی ٹی وی پالیسی پر نظرثانی کرنے کو کوئی تیار نہیں' اور برابر اخلاق باختہ اور حیا سے عاری پروگرام دکھائے جا رہے ہیں۔ حالیہ مہینوں میں مختلف مواقع پر موجودہ حکومت کی جانب سے ٹیلی ویژن کا قبلہ درست کرنے کے لئے ٹی وی پالیسی میں بنیادی اصلاحات کی پرزور باتیں کی گئی ہیں اور اگرچہ بعض سطحی تبدیلیاں بھی لائی گئیں تاہم ہنوز کوئی انقلابی قدم نہیں اٹھایا جا سکا۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو نواز شریف کی اسلام پسند گورنمنٹ اور پیپلز پارٹی کی اسلام مخالف حکومت کے ادوار میں ٹی وی سکرین پر نمایاں تبدیلی نظر آنی چاہئے تھی لیکن نظر نہیں آئی۔

اس حقیقت سے ارباب اقتدار بھی باخبر ہیں کہ ٹی وی کے ذریعے جو کچھ پھیلایا جا رہا ہے وہ ہمارے مضبوط خاندانی نظام کو برباد اور معاشرے کو تباہی سے دوچار کرنے کے عالمی منصوبے کا حصہ ہے لیکن جانتے بوجھتے آج تک ٹی وی کو اس مقصد کی برآری کے لئے استعمال کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ ٹی وی کی یہ اسلام دشمن پالیسی یوں تو خود ٹی وی پروگراموں سے ہی عیاں ہے۔ اس کا ایک اور واضح ثبوت ۱۹۷۰ء میں کراچی PTV کے جنرل منیجر اول ذوالفقار علی بخاری (مرحوم) کی وہ گفتگو ہے جو انہوں نے اس وقت آئندہ کے متوقع ٹی وی پروڈیوسر صاحبان سے ایک نشست میں کی تھی' جو ٹی وی کے اغراض مقاصد کے لئے منعقد کی گئی تھی۔ انہوں نے کہا تھا :

"آپ کا دوسرا اور سب سے اہم مقصد یہ ہوگا کہ قوم اور پہلے متوسط طبقہ کو فرسودہ مذہبی تصورات

سے آزاد کرائیں اور اس مقصد کو اس خوبی سے سرانجام دیں کہ لوگوں کو شعوری طور پر اس کا پتہ نہ چلے کہ آپ جدید نسلوں کو مذہبی اثرات سے پاک کرنے کی کوئی مہم چلا رہے ہیں۔ اگر آپ نے یہ کام کر لیا تو یاد رکھئے! ہم ہمیشہ کے لئے مذہبی جنونیوں اور ملاؤں سے اپنی معاشرت اور سیاست کو پاک کر دیں گے...... آپ اس مقصد کو اس طرح پورا کر سکتے ہیں کہ منافقت اور تضاد کردار کے ڈراموں کے منفی کرداروں کے داڑھی لگایئے' مضحکہ خیز کرداروں اور افراد کو مشرقی لباس پہنایئے۔ یہ یاد رکھئے کہ آپ کو اپنے تمام کرداروں اور اناؤنسروں کو وہ لباس پہنانا ہے جو ہمارے ترقی یافتہ معاشرے میں سو سال بعد رائج ہونا چاہئے اور جو اب ایک فی صد اوپر کے طبقے میں رائج ہے۔"

ہمارے ہاں شہروں کے گلی کوچوں اور بڑے قصبات میں ہزاروں ویڈیو دوکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ ان دوکانوں میں ایسی بے شمار ملکی وغیر ملکی خاص طور پر انگلش اور انڈین فلمیں موجود ہیں جو محض عشق و محبت ہی نہیں ---- کیونکہ یہ تو اب پرانا معاملہ ہو چکا ہے --- بلکہ اشتعال انگیز جنسی جبر و تشدد پر مبنی ہوتی ہیں۔ یہ فلمیں ناظرین کو جرائم' چوری و ڈکیتی' رہزنی' ریپ اور گینگ ریپ کے نت نئے "سائنٹیفک" طریقوں سے آگاہ کرتی ہیں۔ ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اور خاص طور پر دولت مند "حیاء دار" گھرانوں کے "سپوت" ان فلموں کو بڑے شوق سے دیکھتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان فلموں کو دیکھ کر معاشرہ میں ایسا "غلیظ فعل" نہیں ہو گا تو کیا شرم و حیاء عفت و عصمت اور عزت و آبرو کے پاکیزہ جذبات پیدا ہوں گے؟

ہمارے ایک دوست نے ہمیں بتایا کہ "چند سال قبل وہ اپنے ایک دوست کے ہاں ملنے گئے۔ انہوں نے ویڈیو فلم چلا دی۔ ایک دو منٹ بھی نہیں گزرے ہوں گے کہ برہنگی و عریانی اور جنسی لچرپن اور بے شرمی کا ایک ایسا شرمناک منظر اور حیاء سوز سین میری نگاہوں کے سامنے آیا کہ اوسان خطا ہو گئے اور آج بھی جب مجھے خیال آتا ہے تو یہ بھیانک تصویر میرے قلب و ذہن میں تھرتھراہٹ پیدا کر دیتی ہے۔" میں نے جب یہ واقعہ سنا تو خیال آیا کہ یہ قوم اپنی نئی نسل کو کیا منتقل کرنا چاہتی ہے۔ اپنی اولاد کو ہم کیا تحفہ دیتے ہیں۔ کیا ہمیں یہی کچھ دینا چاہئے جو ہم انہیں دے رہے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو ان لوگوں کو جو اس شیطانی دھندہ میں ملوث ہیں اور انہیں جو اس کے خلاف آواز نہیں اٹھاتے' جان لینا چاہئے ہمارا سماجی منظر چیخ چیخ کر اعلان کر رہا ہے کہ خدانہ کرے وہ وقت بھی آیا ہی چاہتا ہے جب ان کی اپنی بہنیں اور بیٹیاں بھی اسی درندگی کا نشانہ بننے سے محفوظ نہ رہ سکیں گی۔ ارباب اقتدار سے ہم ہاتھ جوڑ کر اپیل کرتے ہیں کہ قوم کو اخلاقی طور پر تباہی سے دوچار کرنے کا یہ ناپاک دھندہ کرنے والوں کے خلاف سخت ایکشن لیا جائے اور اس اخلاق سوز کاروبار کو سختی سے روکا جائے۔

اس کے علاوہ بعض سینماؤں میں قابل اعتراض فلمیں دکھائی جاتی ہیں ان کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ اور ان سب پر مستزاد ڈش انٹینا ہے' جو ہماری مسلم قومی غیرت اور دینی حمیت کا جنازہ نکالنے میں سرگرم عمل ہے۔ ہمارے خیال میں یہ امر تو بہرصورت لازم ہے کہ نواز شریف صاحب ایران کی پیروی میں ڈش انٹینا پر فوری پابندی عائد کریں۔ اور ڈش کے ذریعے جو اچھے پروگرام نشر کئے جاتے ہیں انہیں PTV ضروری سنسر کے بعد خود نشر کرے۔

سطور بالا میں جو کچھ کہا گیا ہے' وہ ہمارے اس گھمبیر سماجی زوال کے بنیادی اسباب ہیں جس سے دوچار ہونا بایں حالات ناگزیر ہے بقول اقبال ؎

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

ہمارے ارباب اقتدار اگر معاشرہ کو اخلاقی بگاڑ سے بچانا چاہتے ہیں تو ہماری گزارش ہے کہ خدارا ٹی وی اور ریڈیو کے لئے ایک متوازن' مربوط اور قومی امنگوں سے مطابقت رکھنے والی پالیسی تشکیل دیجئے۔ پرنٹ میڈیا کے لئے ضابطہ اخلاق بنایئے۔ نکاح کو آسان بنانے کے لئے جہیز کی لعنت پر پابندی لگایئے۔ پردے کو رواج دیجئے اور غلاظت کے اڈوں کو بند کیجئے۔ حکمرانوں اور عوام دونوں کو جان لینا چاہئے کہ اگر یہ اقدامات نہ کئے گئے تو وہ خطرناک نتائج برآمد ہوں گے کہ جن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' اور وہ ہمہ گیر معاشرتی تباہی آئے گی کہ ہم سوائے ہاتھ ملنے کے کچھ نہ کر سکیں گے۔ اے مسلمانوں جاگ جاؤ اور سنبھل جاؤ کہ ؎

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے "پاکستان" والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

بقیہ : ایڈیٹر کے ڈیسک سے...

وہ پرچے چونکہ نہیں پہنچ سکے للذا ان کی اطلاع کے لئے یہ سطور تحریر کر دی گئی ہیں۔ زیر نظر شمارہ بھی دو صورتوں میں شائع کیا گیا ہے۔ ایک شکل تو یہ ہے کہ جس میں یہ پرچہ آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس کا ۱۶ صفحات پر مشتمل وہ مختصر عوامی ایڈیشن بھی شائع کیا گیا ہے جس کا تفصیلی ذکر اوپر کر دیا گیا ہے۔ اس مختصر ایڈیشن کا تمام مواد اس ضخیم تر پرچے میں بھی شامل ہے جس کے مستقل عنوانات میں "امیر تنظیم اسلامی کے خطاب جمعہ کی تلخیص" اور "کاروان خلافت' منزل بہ منزل" کے علاوہ "پریس ریلیز" اور "ہفتہ رفتہ کی اہم خبریں" بھی شامل ہیں۔ یہ تحریکی مواد زیر نظر شمارے میں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

بہرکیف "ندائے خلافت" کے مستقل قارئین نوٹ فرما لیں کہ آئندہ یہ پرچہ ہر ہفتے' اوپر بیان کردہ نئی صورت میں شائع ہوا کرے گا' یعنی ۱۶ صفحات پر مشتمل تحریک خلافت کے بعد ایک متحرک آرگن کے طور پر' اور ماہانہ ایڈیشن کے طور پر اس کی اشاعت کا یہ موجودہ سلسلہ آئندہ معطل رہے گا۔

ندائے خلافت کے مستقل قارئین اگر اسے نئی اور پہلے کے مقابلے میں مختصر اور مختلف صورت میں قبول فرما لیں تو یہ اس تحریک کے ساتھ ان کا تعاون ہو گا۔ ہم ان کے حالیہ زر تعاون کی مدت کے اختتام تک یہی ہفت روزہ انہیں ارسال کرتے رہیں گے۔ تاہم اگر کسی قاری کو یہ صورت پسند نہ ہو تو ان کے لئے متبادل صورت یہ ہو گی کہ وہ اپنے باقی ماندہ زر تعاون کے مساوی مالیت رکھنے والی انجمن کی مطبوعات میں سے کوئی کتاب یا کتابچے ہم سے طلب فرمائیں' ہم ان شاء اللہ انہیں مطلوبہ مطبوعات ارسال کر دیں گے۔ قارئین کے لئے یہ نئی صورتحال اگر باعث کوفت ہو تو ہم اس کے لئے تہہ دل سے معذرت خواہ ہیں' تاہم ہمیں اپنے قارئین سے توقع ہے کہ وہ حسب سابق اس پرچے اور اس تحریک کے ساتھ تعاون جاری رکھیں گے۔ ○○

☆☆☆

گزشتہ ہفتہ کے دوران تنظیم اسلامی کے شعبہ نشرواشاعت کے تحت جاری کردہ پریس ریلیز

جو مکمل یا جزوی طور پر نمایاں قومی اخبارات میں شائع ہوئے

میاں نواز شریف نے ڈاکٹر اسرار احمد سے کوئی پناہ طلب نہیں کی

میاں طفیل محمد کو ایسا بیان دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی!

لاہور (پ ر) ۲۱ مئی' تنظیم اسلامی کے ترجمان نے جماعت اسلامی کے سابق امیر میاں طفیل محمد کے اس بیان پر کہ "ڈاکٹر اسرار کی "پناہ یا اشیرباد" نواز شریف کو قاضی کی یورش سے نہیں بچا سکتی" پر حیرت اور تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ میاں طفیل صاحب جیسی قابل احترام اور بزرگ شخصیت کو ایسا بیان دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ تنظیم اسلامی کے ترجمان نے کہا کہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد پاور پالیٹکس سے الگ رہتے ہوئے کتاب و سنت کی بالادستی کے قیام کے لئے انقلابی جدوجہد میں مصروف ہیں اور محض جماعتی مفادات اور ذاتی اختلافات کی وجہ سے حکمرانوں کی ٹانگ گھسیٹنے کی پالیسی کو دین وملت کے لئے زہر قاتل سمجھتے ہیں۔ ترجمان نے کہا کہ وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے ڈاکٹر اسرار احمد سے نہ کوئی پناہ طلب کی ہے اور نہ ہی ہمارے پاس ایسی کوئی "پناہ گاہ" موجود ہے البتہ امیر تنظیم اسلامی نے ماضی میں بھی ملک کے حکمران طبقہ کو نفاذ اسلام کے لئے مثبت اور پر خلوص مشورے دیئے ہیں اور وہ اب بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔ وزیراعظم میاں نواز شریف اور ان کے قابل احترام والد ڈاکٹر اسرار احمد سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تو ہم نے ان کی بحیثیت مہمان کے پذیرائی کی جو کہ ہمارا اخلاقی فریضہ تھا۔ تنظیم کے ترجمان نے کہا کہ امیر تنظیم اسلامی نے دین اسلام کے خادم اور داعی قرآن کی حیثیت سے حق نصیحت ادا کرتے ہوئے میاں محمد نواز شریف پر دوٹوک الفاظ میں واضح کیا کہ قرآن و سنت کو سپریم لاء بنانا اور ملکی معیشت سے سود کا خاتمہ وزیراعظم کا دینی اور آئینی فریضہ ہے جسے پورا کئے بغیر دنیا و آخرت میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ترجمان نے کہا کہ دستوری سطح پر قرآن و سنت کی بالادستی کے نفاذ ہی سے حقیقی پناہ گاہ میسر آ سکتی ہے اور ایسا کر لینے کے بعد کسی "دوسرے کی یورش" سے انہیں کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔

☆ ☆ ☆

طالبان افغانستان میں جلد اسلامی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے

لاہور (پ ر) ۲۶ مئی' امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے افغانستان کی طالبان حکومت کو تسلیم کرنے کے حکومتی فیصلے کا زبردست خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ نہایت مناسب اور بروقت فیصلہ ہے جس کے مثبت اثرات جلد ظاہر ہوں گے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے امید ظاہر کی کہ طالبان افغانستان میں عنقریب ایک مثالی اسلامی ریاست کے قیام میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جو اگر اللہ نے چاہا تو عالمی سطح پر نظام خلافت کے قیام کا پیش خیمہ ثابت ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ ایران کا یہ خدشہ درست نہیں ہے کہ افغانستان کی طالبان حکومت افغان اہل تشیع سے امتیازی سلوک کرے گی۔ امیر تنظیم اسلامی نے امید ظاہر کی کہ افغانستان میں نہ صرف تمام مسالک کو پرسنل معاملات اپنے اپنے مسلک کے مطابق طے کرنے کی آزادی حاصل ہو گی بلکہ اقلیتوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ بھی اسلامی تعلیمات و قوانین کے مطابق کیا جائے گا۔ انہوں نے اپنے اس یقین کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اب پاکستان میں بھی اسلامی نظام کے قیام کا راستہ نہیں روکا جا سکے گا اور مملکت خداداد پاکستان میں بھی لازماً نظام خلافت قائم ہو کر رہے گا۔ اور یہ پورا خطہ اسلام کے عالمی غلبہ کے ضمن میں وہ تاریخی کردار ادا کرے گا جس کی بشارت نبی اکرمؐ کے فرامین میں واضح طور پر موجود ہے۔

اسلامی حکومت کے قیام سے افغانستان نظام خلافت کا گہوارہ بن سکتا ہے

امیر تنظیم اسلامی کی اسلام آباد میں افغانستان کے سفیر سے ملاقات

لاہور (پ ر) ۲۷ مئی' امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے پانچ رکنی وفد کے ہمراہ افغانستان کے سفیر مولوی شہاب الدین دلاور سے اسلام آباد میں ملاقات کی۔ انہوں نے تقریباً پورے افغانستان پر طالبان کی حکومت کے قیام پر دلی مسرت اور نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام سے نہ صرف یہ خطہ نظام خلافت کا گہوارہ بن جائے گا بلکہ پاکستان اور افغانستان پر مشتمل خطے کو امت مسلمہ کے مرکز کی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ تنظیم اسلامی کے ترجمان نے ملاقات کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے افغان سفیر کو بتایا کہ احادیث نبویہ میں وارد شدہ پیشین گوئیوں کی رو سے افغانستان اور پاکستان کی سرزمین سے اسلام کے عالمی غلبے کی تحریک برپا ہو گی۔ افغان سفیر نے طالبان حکومت کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی کی طرف سے نیک خواہشات کے اظہار پر جواباً خوشی کا اظہار کیا اور امیر تنظیم اسلامی کو دورہ افغانستان کی دعوت دی۔ امیر تنظیم اسلامی نے دورۂ افغانستان کی دعوت قبول کرتے ہوئے جلد افغانستان آنے کا وعدہ کیا۔ افغان سفیر مولوی شہاب الدین نے ڈاکٹر اسرار احمد کو طالبان حکومت کے عزائم کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ طالبان کی حکومت کا مقصد دنیا کا اقتدار نہیں ہے بلکہ افغانستان میں مکمل طور پر اسلامی نظام کا نفاذ ہمارا اصل مشن ہے۔ افغان سفیر نے امیر تنظیم اسلامی کی قرآنی تحریک اور نظام خلافت کے قیام کے مشن کو سراہتے ہوئے بتایا کہ طالبان حکومت کے اعلیٰ نمائندے آپ کی دینی خدمت اور قرآنی تحریک سے بخوبی آگاہ ہیں اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

مجھ سے منسوب بیان کہ نواز شریف کے سر پر خلیفہ کا تاج سجایا جا سکتا ہے' قطعی طور پر من گھڑت ہے

این این آئی کی جاری کردہ خبر کے رد عمل میں امیر تنظیم کا تردیدی بیان

لاہور (پ ر) ۲۷ مئی' امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے پریس کانفرنس کے حوالے سے اخبارات میں شائع ہونے والے خود سے منسوب اس بیان کی سختی سے تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بیان قطعی طور پر غلط اور من گھڑت ہے کہ "اگر وزیراعظم آئین سے غیر اسلامی دفعات خارج کر دیں تو نواز شریف کے سر پر خلیفہ کا تاج سجایا جا سکتا ہے"۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پریس کانفرنس میں میں نے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں یہ کہا تھا کہ اگر شریعت کو سپریم لاء بنانے کے لئے آئین میں مجوزہ ترامیم کر دی جائیں تو کم از کم پاکستان میں دستوری سطح پر نظام خلافت کے قیام کے تقاضے پورے ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم پریس کی آزادی کے حق کو تسلیم کرتے ہیں مگر دروغ گوئی اور حقائق کو مسخ کرنا اخلاقی اعتبار سے سخت قبیح فعل ہے چنانچہ ایسی مادر پدر آزاد صحافت کی حمایت نہیں کی جا سکتی۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے اخبارات اور نیوز ایجنسیوں سے کہا کہ وہ مذکورہ من گھڑت بیان کی واضح اور نمایاں انداز میں تردید شائع کر کے اپنی غلطی کی تلافی کریں۔

کاروانِ خلافت منزل بہ منزل

رفقائے کراچی کا ایک روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام

ملکی اور عالمی حالات کے مشاہدے کی روشنی میں تنظیم اسلامی کے موقف سے عوام کو آگاہ کرنا احیائی تحریک کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ چنانچہ اس ضرورت کے پیش نظر تنظیم اسلامی ضلع وسطی نمبر 2 کے زیر اہتمام فیڈرل بی ایریا میں اجتماع منعقد ہوا۔ 15 مارچ کو پروگرام کا آغاز بعد نماز عشاء نقیب اسرہ جناب یونس واحد کی تقریر سے ہوا۔ ان کے خطاب کا موضوع "شادی بیاہ کی رسومات قرآن و سنت کی روشنی میں" تھا۔ حکومت کی جانب سے شادی کے موقع پر کھانوں پر لگائی گئی پابندی کے تناظر میں گفتگو اہمیت کی حامل رہی۔ 16 مارچ کی صبح 9 بجے جناب اختر ندیم صاحب نے امیر محترم کی جانب سے دستور پاکستان کو اسلامی بنانے کی غرض سے حکومت کو دیئے گئے مشوروں کی روشنی میں "مذاکرہ" کی صورت میں پروگرام منعقد کروایا۔ مذاکرے میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ دستور میں کون کون سی تبدیلیاں کی جائیں کہ جس کے نتیجے میں نظام خلافت کے قیام کی دستوری سطح پر تکمیل ہو جائے گی۔ بعد ازاں تنظیم اسلامی ضلع شرقی نمبر 3 کے امیر جناب انجینئر نوید احمد نے حکمت و احکام جمعہ کے عنوان سے درس قرآن دیا۔ نماز اور کھانے کے وقفے کے بعد جناب اختر ندیم نے "عالمی حالات اور ہم" کے عنوان سے خطاب کیا۔ انہوں نے ان عالمی سازشوں کو بے نقاب کیا جو عالم اسلام کے خلاف دشمنان اسلام نے شروع کر رکھی ہیں۔ بعد ازاں تنظیم اسلامی ضلع شرقی نمبر 2 کے امیر جناب اعجاز لطیف نے قرآن و سنت کی روشنی میں عریانی و فحاشی کے معاشرے پر مضر اثرات پر گفتگو کی اور اس کی اشاعت میں مصروف عناصر کے بارے میں قرآن کریم کا یہ فیصلہ پڑھ کر سنایا کہ ایسے لوگوں کو دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں شدید عذاب کا سامنا کرنا ہو گا۔ بعد نماز عصر راقم نے تنظیم اسلامی کی دعوت پیش کی۔ "تنظیم اسلامی کی دعوت اصلاً بندگی رب ہی کی دعوت ہے جو تمام انبیاء اور رسول علیھم السلام پیش کرتے رہے"۔ جناب عابد جاوید خان نے مطالعہ حدیث کے پروگرام میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے حوالے سے اس حدیث کا مطالعہ کروایا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ کو دین کی جڑ، نماز اور زکوٰۃ کو اس کا تنا اور جہاد فی سبیل اللہ کو اس کی چوٹی قرار دیا ہے۔ (رپورٹ: محمد سمیع)

رفقاء فیصل آباد کی دعوتی سرگرمیاں

فیصل آباد کی دونوں تنظیموں کے رفقاء کا شب بسری کا مشترکہ پروگرام مسجد عمر صادق مارکیٹ مسجد عمر صادق مارکیٹ ۱۳ مارچ کی شب جمعہ کو منعقد ہوا۔ تنظیم اسلامی غربی کے ۱۵ اور شرقی کے ۷ رفقاء مسجد عمرؓ میں جمع ہوئے۔ نماز مغرب کے بعد میاں محمد اسلم نے اپنے خطاب میں کہا کہ نفلی عبادات کو مخفی رکھنا چاہئے جب کہ فرائض کو کھلے بندوں ادا کیا جانا چاہئے۔ آج کے مادی دور میں دینی فرائض پر کئی پردے پڑ گئے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کو فرائض کی ترغیب کے ساتھ ساتھ نوافل کی بھی یاد دہانی کروائی جائے۔ حافظ ارشد نقیب اسرہ فیصل آباد شہر نے حقیقت موت کے موضوع پر جبکہ میاں محمد اسلم نے سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۴ پر درس دیا۔ حکیم سعید صاحب نے حقیقت انسان پر اور محمد فاروق نقیب اسرہ نگہبان پورہ نے سیرت صحابہؓ، ڈاکٹر عبدالروف اور محسن ندیم نے فرائض دینی کے جامع تصور پر روشنی ڈالی۔ نماز عشاء کے بعد کفیل ہاشمی صاحب نے سورۃ منافقون پر درس دیا۔ ملک احسان الٰہی صاحب نے نماز کی اہمیت اور اس کا نبوی طریقہ کار واضح کیا۔ اس کے بعد تمام رفقاء نے کھانا تناول کیا' یاد رہے کہ ہر رفیق اپنے گھر سے کھانا ساتھ لے کر آیا تھا۔ گیارہ بجے رات ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے سورہ صف کے حوالے سے ایمان افروز درس دیا جس میں جہاد و قتال کے فرق کو واضح کیا۔ انہوں نے علامہ اقبال کے حوالے سے کہا کہ مجاہد کی اذان اور "ملاں" کی اذان میں بہت فرق ہے۔ مجاہد اپنے خون سے دین کی حفاظت کی شہادت دیتا ہے۔ امیر حلقہ غربی پنجاب جناب رشید عمر اور معتمد حلقہ شاہد مجید نے بھی پروگرام میں شرکت کی۔ امیر حلقہ نے اپنے خطاب میں رفقاء کو بتایا کہ سالانہ اجتماع سے اب تک ۵۳ نئے رفقاء حلقہ میں شامل ہو چکے ہیں۔

رپورٹ: میاں محمد یوسف

(معتمد تنظیم اسلامی غربی فیصل آباد)

لاہور شرقی کا اجتماع

تنظیم اسلامی لاہور کا تنظیمی اجتماع ۶ مئی کو قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد ہوا' جس میں لاہور شرقی کے امیر جناب محمود عالم میاں نے سورہ شوریٰ کی آیات کا درس دیا۔ بعد ازاں جناب محمد اشرف وصی نے رفقاء سے خطاب کرتے ہوئے ملتزم رفقاء کے تربیتی و مشاورتی اجتماع کے حوالے سے رفقاء کے نظم کی کیفیت کا جائزہ لیا۔ انہوں نے رفقاء کو نظم کی اہمیت اور ضرورت کا احساس دلایا۔ رفقاء لاہور شرقی نے بھی بھرپور طریقے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور آئندہ کے لئے تنظیم کی کارگردگی کو بہتر بنانے کے لئے کئی مشورے دیئے۔

"انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں اذان خلافت"

۱۹ مارچ کے دن پاکستان کے سب سے بڑے صوبے کی سب سے بڑی فنی علوم کی درسگاہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں تنظیم اسلامی کے امیر اور داعی تحریک خلافت کے لیکچر کا اہتمام کیا گیا۔ یونیورسٹی میں ۱۹ سے ۲۳ مارچ تک گولڈن جوبلی تقریبات کے پروگرام ترتیب دیئے گئے۔ طلبہ میں فکر اسلامی کی آبیاری کے لئے کوشاں اسلامک سوسائٹی نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے "پاکستان کی بقا اور اسلام" جیسے اہم موضوع پر ڈاکٹر اسرار احمد جیسے ممتاز سکالر کو دعوت خطاب دی۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے فرمایا کہ پاکستان کی بقا اور استحکام صرف اور صرف اسلام پر عمل پیرا ہونے ہی سے وابستہ ہے۔ انہوں نے کہا مختلف قومیتوں' زبانوں اور تہذیبوں کے حامل افراد کو اسلام کا رشتہ ہی ایک وحدت میں ڈھال سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے پاکستان میں نفاذ اسلام کا نبوی طریق کار بھی واضح کیا کہ اسے اختیار کر کے ہی پاکستان اسلامی ریاست کا روپ دھار سکتا ہے۔ نصوص قرآنی اور احادیث نبویہ سے مزین خطاب نے طلبہ کے علم میں گراں قدر اضافہ کیا وہیں ان کے اندر دین پر عمل پیرا ہونے کا داعیہ بھی پیدا ہوا۔ امیر تنظیم اسلامی کے اس خطاب کو ساڑھے پانچ سو سے زائد طلبہ نے توجہ اور انہماک سے سنا۔ یونیورسٹی کے اساتذہ کی بڑی تعداد نے بھی اس پروگرام میں شرکت کی اور خطاب پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ جلسہ کے سٹیج سکریٹری محسن علی زین نے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے شعبہ علوم اسلامیہ کے چیئرمین چوہدری عبدالحفیظ کو اختتامی دعا کی دعوت دی چنانچہ دعا کے ساتھ اس بابرکت پروگرام کا اختتام ہو گیا۔

(مرتب: محسن علی زین)

خویشگی ضلع نوشہرہ سے دو احباب کی تنظیم میں شمولیت

ضلع نوشہرہ صوبہ سرحد میں واقع موضع خویشگی کے رفیق جناب ساوید احمد کی دعوتی کاوشوں کے نتیجے میں دو احباب نے تنظیم اسلامی کی رفاقت اختیار کرلی ہے۔ موضع خویشگی میں تنظیم اسلامی کا دفتر اور لائبریری قائم ہے جس سے رفقاء و احباب بخوبی استفادہ کر رہے ہیں' ساوید احمد اور محمد عامر کی مسلسل دعوتی کوششوں سے علاقے میں تنظیم اسلامی کے فکر کو پذیرائی حاصل ہو رہی ہے اب موضع خویشگی میں رفقاء کی تعداد چار ہو چکی ہے اور یہاں عنقریب اسرہ کا قیام عمل میں آجائے گا۔

رفقاء جہلم کی دعوتی سرگرمیاں

6 مارچ کو اسرہ جہلم کینٹ اور اسرہ جہلم شہر کا مشترکہ دعوتی پروگرام بعد نماز مغرب جناب مرزا عبدالرحیم کی رہائش گاہ پر منعقد ہوا۔ راقم نے اسلام میں "وفائے عہد کی اہمیت" کے موضوع پر خطاب کیا۔ راقم نے اپنے خطاب میں رفقاء کو امیر محترم کے ہاتھ پر کی جانے والی بیعت کے تقاضوں کی یاددہانی کرائی اور رفقاء سے کہا کہ بیعت کرتے ہوئے ہم نے عہد کر رکھا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے اپنے اوقات لگائیں گے اور اپنا مال خرچ کریں گے بلکہ جان تک دینے کا وعدہ کیا گیا ہے ایک بندہ مومن کی زندگی کا مقصد تو یہ ہے کہ۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

راقم نے رفقاء جہلم سے کہا کہ وہ تربیت گاہوں میں زیادہ سے زیادہ شرکت کریں اور احتسابی رپورٹس دیں تاکہ جہلم میں جلد ہی تنظیم قائم ہو جائے۔ 15 مارچ کو بعد نماز مغرب رفقائے جہلم کا تربیتی اجتماع مسجد کینال کالونی میں منعقد ہوا جس میں مذاکرے کا پروگرام ہوا۔ 26 مارچ کو بعد نماز مغرب مسجد کینال کالونی میں اسرہ جہلم کینٹ کا ماہانہ تنظیمی اجتماع منعقد ہوا۔ تلاوت و ترجمہ کی سعادت خالد حسن نے حاصل کی جب کہ حدیث نبوی صوفی محمد صدیق نے پیش کی۔ (رپورٹ: محمد حسین)
نقیب اسرہ جہلم

مسلم ٹاؤن راولپنڈی کا جلسہ خلافت

تنظیم اسلامی حلقہ مسلم ٹاؤن شکریال کے زیر اہتمام مسلم ٹاؤن راولپنڈی میں 23 مارچ کو "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر جلسہ خلافت منعقد ہوا۔ نماز مغرب کے بعد جلسہ کا آغاز ہوا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب شمیم احمد نے جب کہ صدارت شمس الحق اعوان نے کی۔ عبدالماجد صاحب نے قرآن کریم کی سورہ ابراہیم کی چند آیات تلاوت اور ترجمہ پیش کیا۔ بعد ازاں نقیب اسرہ امجد سعید اعوان کو دعوت خطاب دی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک کا معاشی و معاشرتی ڈھانچہ اسلامی نہیں ہے اور ہماری معیشت سود پر مبنی ہے۔ امجد سعید اعوان کے بعد محترم خالد محمود عباسی ناظم حلقہ آزاد کشمیر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہماری کامیابی کا راز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی پیروی میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ دین کا کام بھی اگر اسوہ حسنہ کی پیروی سے ہٹ کر کیا جائے تو کامیابی حاصل نہیں ہوگی جب کہ اسوہ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے دین کا کام کیا جائے گا تو کامیابی ہمارا مقدر بنے گی۔ انہوں نے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کردہ انقلابی مراحل اور ان کی حکمت پر بھی روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ علامہ اقبال اور قائد اعظم نے ایک الگ وطن کے لئے اس لئے جدوجہد کی تھی کہ اس نئے ملک میں اسلام کا نظام نافذ کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں دین کی سربلندی کے لئے اپنی کوششیں تیز تر کرنا ہوں گی۔ جلسہ کے آخر میں شمس الحق اعوان نے ملکی سیاست پر تبصرہ کرتے ہوئے سیاست دانوں کو کرپشن کا ذمہ دار قرار دیا اور کرپٹ افراد کے خلاف سخت اقدام کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے ملک میں اسلامی نظام لانے کے لئے انقلاب کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم نے دین سے دوری کی موجودہ روش جاری رکھی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا ہم پر برسے گا۔
(رپورٹ: ظفر اقبال اعوان)

اسرہ تاج کالونی فیصل آباد کا دعوتی پروگرام

یکم اپریل کو اسرہ تاج کالونی فیصل آباد کے رفقاء کا دعوتی پروگرام کریسنٹ ملز کالونی کی مسجد میں ہوا۔ ڈاکٹر عبدالسمیع نے سورہ الحدید کے دوسرے رکوع کی روشنی میں غلبہ دین کے لئے مال اور جان کے جہاد کی اہمیت وفضیلت بیان کرتے ہوئے اس سے پہلو تہی کرنے والوں کے بھیانک انجام کی تفصیلات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کیا۔ انہوں نے کہا کہ دنیا کے مال واسباب کو دین کے قیام کے لئے لگانے سے "نفاق" جیسی بیماری کا علاج کیا جاسکتا ہے اور قرآن کی نرم کردہ دلوں کی زمین سے ایمان کی فصل لہلہائے گی جب کہ پتھر کی طرح سخت دلوں پر قرآن بھی اثر انداز نہیں ہو گا۔ درس قرآن کے بعد شرکاء پروگرام کو تکمیل دستور خلافت کی مہم سے روشناس کرایا گیا چنانچہ رفقاء واحباب نے بڑی تعداد میں پوسٹ کارڈز خریدے۔ اس پروگرام میں 60 کے قریب رفقاء واحباب نے شرکت کی۔ (مرسلہ: حکیم محمد سعید)

اسرہ بی بیوڑ کا دو روزہ دعوتی و تربیتی اجتماع

(از 27 تا 29/ مارچ)

رفقائے اسرہ بی بیوڑ دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام مدینہ مسجد محلہ لوہار آباد میں منعقد ہوا۔ عالم زیب کے درس قرآن سے تربیتی نشست کا آغاز ہوا' انہوں نے "قرآن حکیم اور ہماری ذمہ داریاں" کے موضوع پر خطاب کیا۔ بعد نماز عشاء راقم نے "نظام خلافت" کے موضوع پر دعوتی تقریر کی۔ اجتماع کے دوسرے روز نماز فجر کے بعد رفیق محترم حیات ولی نے درس حدیث دیا۔ دس سے بارہ بجے تک عبادت رب کے موضوع پر مذاکرے کے انعقاد ہوا جس میں عالم زیب' حیات ولی اور راقم نے گفتگو کی۔ نماز جمعہ کے بعد راقم نے "تنظیم اسلامی کی دعوت اور طریقہ کار" کے عنوان سے خطاب کیا' خطاب کے آخر میں احباب کو تنظیم اسلامی میں شمولیت کی دعوت بھی دی گئی۔ (رپورٹ از ممتاز بخت)

امیر حلقہ پنجاب جنوبی کا دورہ تونسہ شریف

امیر حلقہ جناب مختار حسین فاروقی ۱۰/ مئی بروز ہفتہ کو تونسہ پہنچے۔ اتوار کی صبح مسجد لنگاہ والی میں چوتھا درس دیا۔ یہاں گزشتہ ۴ ماہ سے باقاعدگی سے درس ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے امیر محترم کی ویڈیو کیسٹ کا پروگرام دکھایا گیا۔ کیسٹ کا موضوع "ایمان اور عمل صالح" تھا۔ آخر میں خصوصی تنظیمی اجتماع ہوا جس کے آغاز میں عالمگیر جعفر صاحب نے قرآن مجید کی تلاوت و ترجمہ کیا اور مجلس کے آداب بتائے۔ اس کے بعد باہمی مذاکرہ ہوا آخر میں ایک حدیث فریضہ نہی عن المنکر کے بارے میں پڑھی گئی۔ تونسہ شہر سے رضا محمد مجر صاحب اور رفقاء نے ۴۰۰ کے لگ بھگ تکمیل دستور اسلامی کے کارڈز پر دستخط کرا کے ناظم حلقہ کو دیئے۔ (مرتب: شوکت حسین)

تنظیم اسلامی کوئٹہ کا ایک روزہ اجتماع

29/ مارچ 97ء کو تنظیم اسلامی کوئٹہ کے زیر اہتمام ایک روزہ اجتماع منعقد ہوا جس میں ناظم حلقہ کراچی وسندھ جناب محمد نسیم الدین نے بھی بطور خاص شرکت کی۔ ناظم حلقہ نے مختلف مکاتب فکر کے نمائندہ افراد سے بھی خطاب کیا۔ ایک روزہ پروگرام میں ہمارے ایک بھائی محمد اکرم صاحب نے تنظیم اسلامی کی رفاقت اختیار کی۔ شام کو تنظیم اسلامی کوئٹہ کے امیر کے ہاں کھانے کی دعوت پر رفقاء کے ساتھ احباب کو بھی مدعو کیا گیا تھا اس موقع پر جناب اسعد اللہ نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ ناظم حلقہ نے بعض احباب سے خصوصی ملاقاتیں بھی کیں۔ نماز عصر کے بعد سورہ الکوثر پر قاری شاہد اسلام بٹ نے انتہائی جامع اور موثر درس دیا۔ رفیق کرم جناب محمد اکرم نے حدیث کے عنوان سے رفقاء سے "جماعت' بیعت واجتہاد" کے موضوع پر خطاب کیا انہوں نے نظم کی پابندی اور جان ومال کی قربانی کے تقاضوں کی وضاحت کی یوں مختلف النوع خطابات پر مشتمل یہ ایک روزہ پروگرام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ (مرتب: ملک اعجاز)

اسرہ ایبٹ آباد کی دعوتی سرگرمیاں

اسرہ ایبٹ آباد کے رفقاء نے دعوتی و تربیتی اور تنظیمی اجتماعات منعقد کئے۔ ان اجتماعات کی مختصر تفصیل کچھ یوں ہے۔ 14 مارچ کو بعد از نماز مغرب محلہ عباسی کی جامع مسجد میں دعوتی اجتماع منعقد ہوا جس میں راقم نے آیہ بر پر مبنی درس دیا۔ 16 مارچ کو دس بجے صبح تنظیم کے دفتر میں ایک تربیتی اجتماع منعقد ہوا جس کا عنوان "فرائض دینی کا جامع تصور" تھا۔ راقم نے نقشے کی مدد سے فرائض دینی کی بنیاد اور ارکان دین پر لیکچر دیا۔ 21 مارچ کو مسجد پولی ٹیکنیک فنڈیال میں دعوتی اجتماع منعقد ہوا۔ (رپورٹ: ذوالفقار علی' اسرہ ایبٹ آباد)

بقیہ : واقعات عالم

سکے۔ اس سلسلے میں چینی حکومت نے بعض واضح اشارے بھی دیئے ہیں۔ لیکن فوری طور پر کسی بڑے اقدام کی توقع نہیں کی جا سکتی کیونکہ چینی پالیسیاں ایک مستقل حکمت عملی (Strategy) کا حصہ ہیں کہ سوشلزم کے بنیادی ڈھانچے کو برقرار رکھتے ہوئے' معاشی آزادیاں دی جائیں اور مغرب کے ساتھ تجارتی و سیاسی روابط کو بڑھایا جائے۔ چین علاقے میں بھی امن کا خواہاں ہے۔ اور اپنے مفادات کا تحفظ چاہتا ہے۔ چنانچہ سرد جنگ کے بعد اس نے بھارت کے ساتھ تعلقات کو بحال کر کے فطانت کا ثبوت دیا ہے۔ پاکستانی حکومت کو بھی عالمی اور علاقائی صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے حقائق سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔ چین اب بھارت کے مقابلے میں پاکستان کی واضح حمایت کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔ مزید برآں پاکستان کا ہر معاملے کے حل کے لئے امریکہ کی طرف دیکھنا چین کے لئے ناپسندیدہ ہے۔ بھارت اس صورتحال سے کسی بھی وقت فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بھارت نے اس صورتحال کو اپنے حق میں استعمال بھی کیا ہے۔ چنانچہ اس نے ایران سے گہرے تعلقات استوار کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ اگر یہی صورتحال برقرار رہی تو پاکستان کو چین اور ایران کی طرح ملکی مفادات کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی خارجہ حکمت عملی میں تبدیلی لانا ہو گی۔ چنانچہ سب سے پہلے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے امریکہ کی بجائے چین اور ایران کی مدد حاصل کی جائے۔ اس ضمن میں بھی زمینی حقائق اور ملکی مفادات دونوں کو پیش نظر رکھا جائے۔ بعد ازاں مسئلہ کشمیر سے ہٹ کر بھارت کے ساتھ تجارتی تعلقات کو ملکی مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے تدریجا فروغ دیا جائے۔ علاوہ ازیں فوری طور پر چین' ایران اور بھارت کے ساتھ مل کر ایک علاقائی مضبوط معاشی بلاک تشکیل دیا جائے۔ کچھ عرصے بعد اس میں افغانستان اور وسطی ایشیائی ریاستوں اور ترکی کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ آئندہ صدی کی ابتدائی دہائی معاشی اتحادوں کی دہائی ہو گی۔ چنانچہ یورپین یونین (EU)' ایشیان (ASEAN)' ایشیا پیسفک (APEC) معاشی بلاک نہایت اہم کردار ادا کریں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان علاقے کے ممالک پر مشتمل معاشی بلاک کی تشکیل کی کوشش کرے۔ یوں پاکستان نہ صرف چین کے ساتھ اپنی مثالی دوستی برقرار رکھ سکے گا بلکہ مستقبل میں بھی اس کی معاشی ترقی سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

مزید برآں ایران کے ساتھ برادرانہ تعلقات مضبوط ہوں گے اور بھارت کے ساتھ تعلقات کو اعتدال پر لانا آسان ہو جائے گا۔ چین کو بھی سنکیانگ میں اپنی پالیسی کا جائزہ لینا ہو گا۔ اسے مسلمانوں کے معاملے میں بے جا سختی سے ہاتھ روکنا پڑے گا ورنہ خدشہ یہ ہے کہ کہیں مسلم ممالک خصوصاً پاکستان اور ایران کے ساتھ اس کے تعلقات میں دراڑ نہ پڑ جائے۔ یہ بات فریقین کے لئے نئے مسائل پیدا کر دے گی۔ چنانچہ چین کو اس مسئلے کے حل کے لئے مسلم ممالک کا اعتماد و تعاون حاصل کرنا چاہئے جبکہ علاقے کے مسلم ممالک خصوصاً ترکی' ایران' پاکستان کی ذمہ داری ہے کہ چین کے ساتھ عالمی صورتحال کو سامنے رکھ کر مسئلہ کے حقیقت پسندانہ حل کے لئے تعاون کریں۔ تاکہ نیو ورلڈ آرڈر' جو کہ جیو ورلڈ آرڈر ہے کے مزموم عزائم کو ناکام بنایا جا سکے۔

بقیہ : خطاب جمعہ

اقتصادی قبضہ جمانے کا منصوبہ ہے جس کے تحت یہودی دنیا کو کچھ ریجن میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اس اکنامک ریجن کا چودھری وہ بھارت کو بنانا چاہتے ہیں۔ جہاں تک بھارت سے تجارتی تعلقات استوار کرنے کا معاملہ ہے تو بھارت سے ہمارے تعلقات اس طرح استوار ہونے چاہئیں کہ وہ ہمارے ہاں تجارت کو آئیں اور ہم ان کی ثقافت کا توڑ دعوت اور قرآنی فکر کی شمشیر سے کریں کیونکہ کامیابی کے لئے قرآن سے بڑا کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ آخر میں محترم ڈاکٹر صاحب نے نمازیوں سے کہا کہ اگر وہ رجوع الی القرآن کی اس تحریک میں کوئی حصہ ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کے تین طریقے ہیں :

۱) احباب زیادہ سے زیادہ تعداد میں انجمن کی رکنیت اختیار کریں۔
۲) قرآن کالج میں اپنے ذہین بچوں اور متعلقین کو ایف اے اور بی اے کی کلاسز میں داخل کروائیں۔
۳) رجوع الی القرآن کی دعوت پر مبنی ایک سالہ کورس میں شرکت کر کے دین کی انقلابی تعلیمات سے فیض یاب ہوں۔

ہمارا مطالبہ' ہماری اپیل

دستور خلافت کی تکمیل

بقیہ : حدیث امروز

لازم ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اپنی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔ گوشت پوست کے بتوں کی پوجا چھوڑ کر ایک خدا کے ہو جائیں اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی پیروی اختیار کرتے ہوئے حق کو پہنچائیں اور اسی کا ساتھ دیں۔ ورنہ تباہی اب کوئی دور کی بات نہیں۔ عوام جان لیں کہ جیسے حکمران اپنے کاندھوں پر بٹھائیں گے ویسا ہی وہ ہم سے سلوک کریں گے۔ اور حکمران سن لیں کہ دوسروں پر اٹھنے والی انگلی اگر خود ٹیڑھی ہو تو اس کا نشانہ سیدھا نہیں ہوتا۔ ماضی کی روشنی میں حال کو سنواریئے کہ خوشحال ہی اچھے مستقبل کی ضمانت ہوا کرتا ہے۔

کون مسلمان ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعوٰی نہ ہو!
لیکن آپ اور آپ کے لائے ہوئے دین سے سچی محبت کے تقاضے کیا ہیں'
ہم میں اکثر لوگ اس سے بے خبر ہیں!

اس موضوع پر ڈاکٹر اسرار احمد کی نہایت جامع تالیف

حُبِّ رسولؐ اور اُس کے تقاضے

خود بھی مطالعہ کیجئے اور دوسروں تک بھی پہنچایئے!

صفحات ۳۲ • قیمت ۶/ روپے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

نام میرے نام

محترم مدیر ندائے خلافت

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ندائے خلافت میں اپنے مضمون "کیا ووٹ مقدس امانت ہے؟" کے اقتباسات کی اشاعت پر ۱۵/ مارچ کے شمارہ میں جناب مختار حسین فاروقی صاحب کے اعتراضات کے حوالہ سے کچھ گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مذکورہ اقتباسات آیا آپ کے جریدے میں شائع ہونے چاہئیں تھے اور اس پر کوئی ادارتی نوٹ ضروری تھا یا نہیں' تو ظاہر ہے یہ طے کرنا آپ ہی کا کام ہے۔ اس میں اگر آپ کا کوئی قاری بھی آپ کا ہاتھ بٹانا چاہتے ہیں تو مجھے اصولاً اس پر معترض نہیں ہونا چاہئے۔ بہرحال فاروقی صاحب کے نمبروار اعتراضات کا بڑا حصہ اس بات پر ہے کہ یہ اقتباسات ندائے خلافت میں شائع ہوئے تو کیوں؟ اس کی تمام ممکنہ اور "جائز" وجوہات وہ ایک ایک کرکے مسترد کرچکے ہیں۔ اس بات کا جواب دینا اگر لازم بھی ہو تو ظاہر ہے مجھ پر نہیں۔ البتہ نفس مضمون پر اعتراضات کی وضاحت مجھے بھی کرنی چاہئے۔ لہٰذا اپنے موقر جریدے کے صفحات میں کچھ گنجائش نکال کر اگر یہ وضاحت شائع فرمادیں تو میں آپ کا انتہائی شکر گزار ہوں گا۔

فاضل معترض کا ایک اعتراض تو یہ ہے کہ جمہوریت کو رد کرکے میں نے ملوکیت کو دعوت دی ہے بلکہ سعودی بادشاہت کا قائل کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اگر وہ صرف اتنا کہتے کہ پاکستان میں اب تک جمہوریت مخالفت عموماً سعودی بادشاہت کے طرفدار یا حتیٰ کہ وظیفہ خوار طبقوں کی جانب سے ہوتی رہی ہے تو بات شاید ایسی غلط نہ ہوتی۔ لیکن میرے مضمون سے ملوکیت اور خصوصاً سعودی حکومت کی حمایت کا استخراج کرکے تو انہوں نے خود مجھ ہی کو حیران کردیا ہے۔ پھر اس الزام کو میرے موقف کے بطلان کی دلیل قطعی کا درجہ دینا تو اور بھی حیران کن ہے۔ جہاں تک میرے مضمون کا تعلق ہے تو اس کے کسی بھی حصہ سے نظام بادشاہت یا سعودی نظام کی تائید ثابت نہیں کی جاسکتی۔ رہی میری اپنی رائے تو میرے خیال میں سعودی حکومت بھی اتنی ہی غیر اسلامی اور جاہلیت کی ویسی ہی شکل ہے جیسی کہ موجودہ دور کی کوئی بھی جمہوری حکومت بلکہ عالمی سطح پر اسلام دشمنی اور یہود کی کاسہ لیسی میں سعودی مملکت دیگر جاہلی حکومتوں سے بھی دو ہاتھ آگے ہی ہے۔ جمہوریت کو شرک ہم اس لئے مانتے ہیں کہ یہ حق تشریع میں مخلوق کو خالق کے ہم منصب بناتی ہے۔ یہی بات اگر جمہوریت کے علاوہ کسی اور نظام میں ہو تو اسے شرک کہنے میں بھی ہمیں کوئی تردد نہیں ہونا چاہئے۔ مگر پاکستان کے نظام پر بات کرتے ہوئے سعودی حکومت کی بابت اپنا اعتقاد بیان کرنا کوئی ایسا ضروری تو نہیں کہ بصورت دیگر اسے سعودی نظام کی تائید پر محمول کیا جائے؟ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ سوشلزم پر بات کرنے والے "امریکی ایجنٹ" قرار پاتے تھے اور امریکی سامراج کے خلاف بولنے والے "اشتراکیت کے طرفدار"۔ پس جتنی موضوعیت اس طرز استدلال میں تھی اتنی ہی اس نتیجہ میں ہے جو میرے مضمون سے بے دھڑک اخذ کرلیا گیا۔ یہ بھی خوب ہے کہ بات صرف سعودیہ کی حد تک رہی ورنہ جمہوریت مخالفت پر تو عموماً مارشل لاء کی حمایت کا شک کیا جاتا ہے!

جہاں تک "متبادل راستہ بتانے کو شرک سمجھنے" کا تعلق ہے تو میرے مضمون میں ایسی کوئی بات نہیں کہی گئی۔ اگر مضمون کی کسی عبارت سے از خود یہ استدلال کرلیا گیا ہے تب بھی مجھے یہ کہنے دیجئے کہ یہ انتہائی غیر ذمہ دارانہ ہے۔ ہماری اصل تنقید متبادل کا چیلنج دینے والوں پر ہے۔ رہے وہ اسلامی حلقے اور دینی تحریکیں جو متبادل کے اس چیلنج پر خاموش ہو جانا یا یہ بہانہ سن کر جاہلیت کو چھوٹ دینا ضروری سمجھتی ہیں تو ان کے لئے ہمارا مشورہ صرف اتنا تھا اور ہے کہ نظام وقت جب تک شرک سے توبہ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اور غیر مشروط اطاعت کا پیشگی اعلان نہیں کردیتا اور رسولؐ کی لائی ہوئی شریعت کو اپنے تمام دساتیر اور قوانین پر حاکم اور اپنے داخلہ و خارجہ معاملات میں تنہا مصدر ہدایت تسلیم نہیں کرلیتا تب تک اس کے ساتھ جزئیات میں الجھنا ایک فضول کام ہے۔ ایک ایسے نظام کو مختلف مسائل میں قرآنی حل پیش کرنا بے معنی ہے' جس نے ابھی قرآن کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا ہی واضح اعلان نہ کیا ہو بلکہ وہ "وفاداری بشرط استواری" کے مذہب پر ہنوز قائم ہو۔ اب ایسے نظام کو اسلام کے احکام بتانے کی نہیں بلکہ اسلام (اصولی فرمانبرداری اور بہر صورت تسلیم و رضا) قبول کرنے کی دعوت دی جانی چاہئے۔ یہ اسلامی قوتیں متبادل کے مسئلہ پر خفت آمیز دفاعی انداز چھوڑ کر اگر جاہلیت کے ساتھ اپنی کشمکش کو اس موخر الذکر نکتہ پر لے آئیں تو یقین کیجئے آج بھی حق اور باطل کے معرکے میں جان پڑ سکتی ہے۔ (اس نکتہ کی مزید وضاحت کے لئے سید قطبؒ کی کتاب "معالم فی الطریق" کے باب دوئم سے رجوع کیا جاسکتا ہے)

جہاں تک فاضل معترض کے بیان کردہ اصول "Hit and Trial" کا تعلق ہے تو اس پر الگ سے بات ضرور ہو سکتی ہے۔ مگر ہمارا اصل موضوع تو یہ ہے کہ رائج الوقت نظام کا فی الوقت کیا شرعی حکم ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ ایک طاغوتی نظام ہے' جو تشریع کے الٰہی اختیارات غیر اللہ کو تفویض کرتا ہے۔ اگر آپ بھی اس کو شرک مانتے ہیں تو شرک کو جزوی طور پر اور قسط وار ختم کرنے کی دعوت دینا انبیاء کا راستہ نہیں۔ تدریج کا اصول اگر زیر بحث آسکتا ہے تو ان امور میں جو شرک سے کم درجہ کے ہوں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس نظام کو شرک ہی تسلیم نہ کریں' مگر اس صورت میں بھی ہمارا نزاع زیر بحث مسئلہ نظریہ تدریج پر نہیں بلکہ اس امر پر ہوگا کہ نظام رائج شرک ہے یا نہیں؟ اب اگر فاروقی صاحب اسے شرک ماننے کے لئے تیار نہیں تو ہمارا ان دلائل کا رد فرمائیں جن سے ہم نے اس نظام کا شرک ہونا ثابت کیا ہے۔ اس موضوع پر وہ جو گفتگو فرمائیں' ہمیں اس پر ہمہ تن گوش پائیں گے۔

فاروقی صاحب کے بیان کے مطابق اسلامی نظام کے قائم ہو جانے کے بعد بھی حق رائے دہی کی ضرورت ختم نہیں ہوگی جبکہ میرے مضمون میں بقول ان کے ہر قسم کا حق رائے دہی مذموم قرار دیا گیا۔ یہ میرے مضمون کی انتہائی غلط تشریح ہے۔ قطع نظر اس سے کہ ایک اسلامی نظام میں رائے دہی کی صورت اور شرائط کیا ہوں گی' ہم نے نہ اس کا امکان رد کیا ہے اور نہ اسے "برائی کی جڑ" قرار دیا ہے۔ فاضل معترض اگر میرا مضمون دوبارہ دیکھ لیں تو اس بات سے انکار نہ کر پائیں گے کہ اس میں مطلق رائے دہی کو کہیں تنقید کا نشانہ نہیں بنایا گیا بلکہ اس کا موضوع تو وہ رائے دہی ہے جو ایک باطل نظام کے تحت خدائی اختیارات کے لئے نامزد انسان کے حق میں روبہ عمل آتی ہو.... اور جو کہ فی الوقت رائج ہے۔ فاروقی صاحب فرمائیں اس موخر الذکر مسئلہ پر وہ کیا رائے رکھتے ہیں؟

دعاگو

حامد محمود

اسلام آباد

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
6-K, Model Town Lahore - 54700 Regd : No CPL-127

یادداشت بنام وزیر اعظم پاکستان

یہ یادداشت ۲۴ مئی کو تنظیم اسلامی کے مرکزی قائدین پر مشتمل ایک وفد نے جس کی قیادت امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کر رہے تھے' وزیر اعظم سیکرٹریٹ اسلام آباد میں وزیر اعظم سے ملاقات کے موقع پر پیش کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت گرامی میاں محمد نواز شریف وزیر اعظم پاکستان' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترم میاں صاحب! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت جو حیثیت عطا فرمائی ہے وہ ایک جانب بہت بڑا اعزاز واکرام ہے تو دوسری طرف اتنی ہی بڑی آزمائش بھی ہے۔

محترم میاں صاحب! اس حقیقت کا آپ کو تو خود ایک بار تجربہ ہو چکا ہے کہ حکومت واقتدار ہرگز کوئی مستقل اور دائمی چیزیں نہیں ہیں۔ بقول اقبال : "ہے 'جو ہے نہ ہوگا' یہی ہے ایک حرف محرمانہ "۔ لہٰذا اس مملکت خداداد پاکستان میں اسلامی ریاست یا بالفاظ دیگر نظام خلافت کے لئے دستور سازی کا جو عمل قرار... سے شروع ہوا تھا' اسے جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچا کر برعظیم پاک وہند میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے اس عمل کو "بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل" صحیح رخ پر ڈال دیجئے' جو حضرت مجدد الف ثانی سے علامہ اقبال تک کے چار سو سالہ عمل تجدید واحیاء دین پر مستزاد مسلمانان ہند کی نوے سالہ قومی مساعی جن... اعظم محمد علی جناح کی زیرک اور ولولہ انگیز رہنمائی اور لاکھوں مسلمانوں کی جانوں اور ہزار ہا خواتین کی عصمتوں کی قربانیوں نے قیام پاکستان کی منزل تک پہنچا... ایک جانب آپ اللہ اور رسول ﷺ کے محبوب بن جائیں اور دوسری جانب مسلمانان پاکستان ہی نہیں اسلامیان عالم کی آنکھوں کا تارا بن جائیں!

محترم میاں صاحب! پاکستان کے دستور میں اگرچہ ایک جانب اسلامی ریاست اور نظام خلافت کے جملہ دستوری تقاضے بتمام وکمال موجود ہیں' ...ن دو... انہیں بالکل غیر موثر اور پابند سلاسل کرنے والی دفعات بھی موجود ہیں۔ اب اللہ کی نصرت وتائید کے بھروسے پر اور ایک جرات مومنانہ کے ساتھ صرف چند... سے سلطنت خداداد پاکستان کو کم از کم دستوری سطح پر اس عالمی خلافت علیٰ منہاج النبوت کا نقطہ آغاز بنایا جا سکتا ہے جس کے عالمی سطح پر قیام کی نوید جاں فزا نبی اک... احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔ اور وہ لفظی ترامیم حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ الحمد للہ کہ ہمارے دستور میں "قرارداد مقاصد" دفعہ ۲۔الف کی حیثیت سے موجود ہے جو اصولی اعتبار سے اسلامی ریاست یا نظام خلافت کے پورے ا... اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس کے ضمن میں صرف اس چند لفظی صراحت کی مزید ضرورت ہے کہ "یہ قرارداد پورے دستور پر کلی طور پر حاوی ہو گ...

۲۔ دفعہ ۲۲۷ الف کو اس تشریح کے اضافے کے ساتھ کہ "قرآن اور سنت رسول ﷺ کو پاکستان کے اعلیٰ ترین قانون کی حیثیت حاصل ہو گی" دفعہ ۲ب ... قرارداد مقاصد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔

۳۔ دفعہ ۴۵ میں یہ صراحت کی جائے کہ صدر مملکت اس دفعہ کے تحت حاصل شدہ اختیار کو شرعی حدود کے ضمن میں شریعت اپیلٹ بنچ آف سپریم کورٹ ... کے فیصلوں میں کسی کمی یا تبدیلی کے لئے استعمال نہیں کر سکیں گے۔

۴۔ فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت اپیلٹ بنچ کے سلسلے میں ضروری ہے کہ :۔

(i) ان کے جج صاحبان کی شرائط ملازمت کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان کے مساوی بنایا جائے۔ اور

(ii) ان میں مستند اور جید علماء کی معتدبہ تعداد کی شمولیت لازمی بنائی جائے۔ (اس سلسلے میں خالص فنی اصطلاحات اور دستوری دفعات کے حوالوں کے ... ترامیم اس عریضے کے ساتھ منسلک ہیں)۔

۵۔ فیڈرل شریعت کورٹ کے قیام کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل ایک غیر ضروری ادارہ ہے۔ اسے ختم کر کے اخراجات کی بچت کی جائے۔ گویا دستور کی د... (i) اور (iii) کے علاوہ دستور کے پورے حصہ نہم کو ختم کر دیا جائے۔

جہاں تک ملکی معیشت کو سود کی لعنت سے پاک کر کے اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ بند کرنے کا سوال ہے جس کا اعلان بحمد اللہ خود آپ بھی اپنے نشری ... روس الاشہاد کر چکے ہیں' درج ذیل دو صورتوں میں سے ایک کو فوری طور پر اختیار کر لیا جائے :۔

(i) فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں دائر شدہ اپیل واپس لے کر فیڈرل شریعت کورٹ ہی سے اس کے فیصلے کی تعمیل کے لئے ... کی مزید مہلت کی درخواست کی جائے۔

(ii) سپریم کورٹ میں دائر شدہ اپیل کی فوری سماعت کا اہتمام کیا جائے اور اس کے لئے اپیلٹ بنچ فی الفور تشکیل دیا جائے۔ اور اس کی سماعت کے دور... نظام کی تدوین کی مساعی جاری رکھی جائیں تاکہ اپیل کے فیصلے کے بعد تعمیل کے لئے کسی مزید مہلت کی ضرورت نہ ہو۔